# محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم





از
چوہدری افضل حق مرحوم

ناشران

تاج کمپنی لمیٹڈ۔ قرآن منزل ریلوے روڈ لاہور
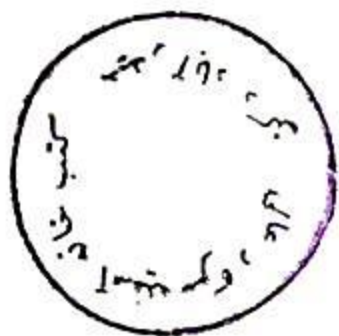
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# گذارشِ احوال

اعتراف عظمت کے لئے بھی باعظمت انسان ہونا ضروری ہے۔ میں نے مصر کی روایتی بڑھیا کی طرح یوسف کی خریداری کا کئی بار عزم کیا۔ یعنی چاہا کہ ماہِ عرب کی سیرت لکھوں، لیکن مداح اور ممدوح میں ذرہ اور آفتاب کا فرق پاکر ہر بار ہمت ہار دی۔ جب میں اس بار گرفتار ہو کر سنٹرل جیل میں آیا تو طبیعت نے تنہائی کا مشغلہ تلاش کرنا شروع کیا۔ ابھی کچھ فیصلہ نہ کرنے پایا تھا کہ میرا تبادلہ لاہور سے ملتان نیو سنٹرل جیل میں ہو گیا چند ہی روز میں میری روح میں خوشگوار انقلاب پیدا ہو گیا۔ مجھے ایام اسیری یوں معلوم ہوئے گویا موسمِ بہار میں محرومِ محبت کے گھر میں محبوب اچانک آ گیا ہو۔ اور وہ استقبال کی خوشی اور دیدار کی مسرت میں

اِدھر اُدھر پھر رہا ہو۔ انہی کیفیتوں میں مَیں نے جیل کے ساتھیوں مولانا حبیب الرحمٰن صاحب، مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری، مولانا سیّد محمد داؤد غزنوی، مولانا مظہر علی صاحب اظہر اور مولانا عبدالرحمٰن نکودری کے ایماپر اس کتاب کو شروع کیا، تھوڑے ہی عرصہ کے بعد میرا تبادلہ ملتان سے راولپنڈی جیل ہو گیا۔ قدرت کو منظور تھا کہ مَیں یہاں کے دوستوں کو چھوڑ کر ایک غریب الوطن قیدی کا انیسِ تنہائی بنوں۔ راولپنڈی جیل میں ایک بم ساز اور بم بار بنگالی نوجوان ڈاکٹر بوس ۷۵ سال کی لمبی قید کاٹ رہا تھا۔ وہ نوجوان تھا لیکن علم اور ایثار میں اپنا جواب آپ تھا۔ وہ وطنِ عزیز کی غلامی کا ذکر جس جذبے سے کرتا تھا، اس کی داد دینے کے لئے موزوں الفاظ نہیں ہیں۔ اسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی سوانح حیات سے بڑا شغف تھا۔ سرکارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی سیرت پر متعدد انگریزی کتابیں اس کے پاس ہر وقت موجود رہتی تھیں، مجھے اس کے ذخیرہ کتب سے بہت ہی فائدہ پہنچا۔ علاوہ ازیں سیرت النبیؐ مصنفہ مولانا شبلی نعمانی ہر وقت پیشِ نظر رہی۔ عربی عبارتوں کے تراجم اسی کتاب سے ماخوذ ہیں۔

محبت ضابطوں کی پابند نہیں ہوتی، اور اکثر اوقات

ادب و احترام کی حدود بے خبری میں نظرانداز ہو جاتی ہیں۔ میں نے شوقِ محبّت کے باوجود انتخابِ الفاظ میں احتیاط برتی ہے۔ اگر کہیں بے احتیاطی برتی گئی ہو تو مجھے اطلاع دی جائے، تاکہ دوسرے ایڈیشن میں تصحیح ہو سکے۔

افضل حق

# دیارِ حبیبؐ

ذکرِ حبیب سے پہلے دیارِ حبیبؐ کا تذکرہ تقریبِ سخن کے طور پر ضروری معلوم ہوتا ہے۔ عقیدتمند آنکھ خاکِ عرب کو جب محبّت بھری نظروں سے دیکھتی ہے۔ تو یثرب و بطحا کا ذرّہ ذرّہ آفتاب جہاں تاب بنکر چمکتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ فرشتے نبیؐ کے مولد و مدفن پر نور کے روشن طبق لے کر اترتے ہیں۔ اور مکّہ و مدینہ کی گلیاں ضیا پاشیوں سے بقعۂ نور بن گئی ہیں۔ عرب جو روحانیوں کی نگاہ میں ہزار حُسن اور لاکھ جلوؤں کی جنّت نگاہ ہے چشمِ دُنیادار اس کے نظارہ ظاہرہ سے گھبرا اُٹھتی ہے۔ اور زبان پکار کر کہتی ہے۔ کہ عرب تو سرتاسر صحرا ہے، جہاں تپتی ریت سے آتش زباں بگولے اُٹھتے ہیں، اور زہریلی ہوائیں جھکّڑ بن کر چلتی ہیں۔ کوہستانی سلسلے جو دوسری جگہ ہمیشہ روح افزا اور نظر افروز ہوتے ہیں یہاں چٹیل پہاڑیاں بن کر رہ جاتے ہیں۔ پانی کی نایابی انسانی آبادی کے لئے مشکلات پیدا کرتی ہے۔ لُو کی لپیٹ میں کھجوروں کے سوا

کوئی درخت سرسبز نہیں ہوتا۔ ہاں سمندر کے کنارے کچھ جاں پرور سبزی وشادابی دکھائی دیتی ہے۔ جہاں آوارہ وسرگرداں قبائل ڈیرے ڈال دیتے ہیں۔ کہیں کہیں چھوٹی چھوٹی بستیاں بھی ہیں۔ اِن کی کھیتی باڑی کی ساری امید بارانِ رحمت پر ہے۔ وقت پر برس گیا تو جنگل میں منگل، ورنہ انتظار ہی میں موسم ختم ہو جاتا ہے۔

ملک عرب محلِ وقوع کے لحاظ سے ایشیا کا جنوبی خطّہ ہے شکل کے لحاظ سے مستطیل، جنوب میں زیادہ شمال میں کم۔ اس کے مغرب میں بحیرہ قلزم مشرق میں خلیج فارس اور بحیرۂ عمان، جنوب میں بحرِ ہند اور شمال میں ملکِ شام ہے۔ اِس خطّے کا مجموعی رقبہ تقریباً بارہ لاکھ مربع میل ہے۔

عرب دُنیا سے تقریباً بالکل جُدا اور اُس کے ملکی حالات دوسرے ملکوں سے بالکل مختلف ہیں۔ اس کے گرد پانی کے قلزم اور اندر ریت کے سمندر۔ اس میں نہ سیّاح کے لئے کوئی دلچسپی ہے نہ فاتح کے لئے کوئی کشش۔ ضروریاتِ زندگی کی کمیابی اور اوقات کی فراغت نے ہر عرب کو شاعر، شجاع اور شوریدہ سر عاشق بنا رکھا تھا۔ مشاغل کی کمی کی وجہ سے ان وسیع فرصتوں کو گذارنے کا طریقہ اور ہو بھی کیا سکتا تھا۔ شاعر مضامین کے دریا سے موتی نکال نکال کر

وقت گذارتا۔ بہادر خون کی ہولی کھیلنے میں عمر کھوتا۔ اور عاشق کسی آہوئے صحرا کے خیال میں صبح سے شام کر دیتا۔ دُنیا کے بیکاروں کے لئے یہی اہم کام ہیں۔ جو عمر کھو کر بھی انجام نہیں پاتے۔ علم جو اصلی جوہر ہے۔ اس سے تمام عرب محروم تھا۔ تمام آبادی نوشت و خواند سے بے بہرہ تھی۔ ہاں شاعروں نے عربی زبان کے جوہر خوب چمکائے۔ چونکہ قبیلے قبیلے میں شاعر موجود تھا۔ اس لئے ہر کہ ومہ کی زبان ایسی منجھ گئی کہ اہلِ عرب فصاحت میں اوروں کو اپنا ہمسر نہ سمجھتے تھے۔ اور اپنی بلاغت کی بنا پر باقی دُنیا کو "عجم" یعنی گنگ کہتے تھے۔

عرب کی شاعری کی کل کائنات فخرِ نسب، اظہارِ عشق اور اعلانِ جنگ تھی۔ ان کے تخیّل کی پرواز قصائد، رجز اور غزل کی محدود دُنیا سے بلند نہ ہوتی تھی۔ ان کا جذبۂ خودستائی اپنے یا اپنے قبیلے کے کارہائے نمایاں بیان کرتے وقت شریفانہ جذبات اور پاک اخلاق کا حامل نہ ہوتا تھا۔ بلکہ اکثر اوقات عورتوں کی عصمت بگاڑنے، ڈاکہ ڈالنے اور ظلم کرنے پر بھی فخر کیا جاتا تھا۔ عوام کی بدذوقی کا یہ عالم تھا کہ اخلاقِ ذمیمہ کی اس علانیہ تبلیغ پر بھی شاعر کی گرمیِ سخن کی داد دیتے اور واہ واہ کرتے تھے۔

بے شک عرب جنگجو اور شجاع تھے۔ مگر جنگ و جدال کے

محرکات عموماً ذیل احساسات ہوا کرتے تھے۔ بعض اوقات تو قبائل میں وجہ جنگ موجود بھی نہ ہوتی تھی۔ مگر جنگ جاری رہتی تھی۔ کبھی کھڑے کھڑے کسی ادنیٰ سی بات پر دو دوست بگڑ جاتے اور تلواریں سونت کر ایک دوسرے پر ٹوٹ پڑتے تھے اور مدد کے لئے اپنے اپنے قبیلوں کو پکارتے تھے جو سنتا تھا شمشیر برہنہ علم کئے شریکِ جنگ ہو جاتا تھا۔ کوئی پوچھتا نہ تھا کہ وجہ نزاع کیا ہے۔

مخلوق کی محبت خدا کی رحمت ہے۔ مگر جب محبّت کی بے پایانی کو محدود کر کے کسی فرد واحد میں مرکوز کر دیا جائے۔ اور اس حدبندی کی محرک شہوت ہو تو عصمت اور پاکبازی سر پیٹ لیتی ہے عشق و عاشقی کو جب جوانی کی بے قیدی اور بے عنانی کے سپرد کر دیا جائے، تو فتنہ برپا ہو جاتا ہے۔ اور اس کا ماحصل خسر الدُّنیا والآخرۃ ہوتا ہے اہلِ عرب کے عشق کی وارفتگیاں محبوب کے محاسن کی گرویدگی تک محدود نہ تھیں۔ بلکہ یہ لوگ عورت سے التفات کے شجر ممنوعہ کے حاصل کرنے کا علانیہ حلف لیتے اور خواہشاتِ نفسانی پر فخر کیا کرتے تھے۔ ہو نہ ہو ان عشاق کے معیارِ شرافت سے گرے ہوئے افعال و اقوال سے پناہ نہ پا کر بعض عاقبت نااندیش، خدا نا ترس اور بزعم خویش خود دار افراد نے دختر کشی کی ابتدا کی ہو گی۔ کیونکہ اگر عشق اک طرف یوں

بے باک تھا۔ تو دوسری طرف حُسن بے حجاب ہر وقت سیاہ کاری کے دامن میں پناہ پانے کے لئے آمادہ تھا میلوں میں بے نقاب عورتوں کی نگاہیں فتنے اُٹھاتی تھیں۔ اور اُن کی مُسکراہٹ بجلیاں گراتی تھی۔ غرض عشق، شاعری اور شجاعت جو جذبۂ عالیہ کے ساتھ مل کر قوموں کی قسمت کو بدل سکتے ہیں۔ ان میں موجود تو تھے مگر رذیل اخلاق سے مل کر ان کی تباہی کا باعث بن چکے تھے۔

اہلِ عرب ان عیوب کے ساتھ کچھ خوبیاں بھی رکھتے تھے شجاعت اور سخاوت کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ تلوار کا دھنی اکثر دل کا غنی ہوتا ہے۔ اس لئے اہلِ عرب مہمان نواز اور سخی تھے۔ جس کسی کو اپنی پناہ میں لیتے اس کی جان و دل سے حفاظت کرتے تھے۔

اہلِ عرب کے اخلاق کسی آسمانی کتاب سے ماخوذ نہ تھے! اور نہ اُن کے اعمال کسی قانون پر موقوف تھے۔ ان کے اوضاع و اطوار کو ملک کی آب وہوا نے بے ساختہ طور پر معین و مرتب کر دیا تھا۔ اُن کی عقیدت کا مرجع خدائے نادیدہ نہ تھا۔ بلکہ شرفِ انسانی مٹی کی مُورتوں اور پتھر کے تراشے ہوئے بُتوں کے قدموں میں سر بسجود تھا۔ بُت پرستی خُدا پرستی کی بگڑی ہوئی صورت ہے شیطان نے توحید پر دو طرف سے حملہ کیا ہے۔ ایک تو محبت اور عقیدت کا

حیلہ تلاش کیا۔ دوسرے گناہوں سے مضمحل اور چُور چُور روح کے کان میں افسون پھونکا کہ انسان فطرتاً کمزور ہے۔ نجات کی راہ کسی وسیلہ کے بغیر نہ ملے گی۔ چنانچہ گناہوں سے آلودہ لوگ نیک بندوں کی عظمت کے گرویدہ ہو جاتے ہیں۔ پھر ان نیک انسانوں کی محبت کی وسیع وادی میں اس طرح کھو جاتے ہیں کہ اِس سے نکلنا بھی چاہیں تو نہیں نکل سکتے۔

جس طرح نشۂ شراب سے سرشار پیادہ سوار کا حکم رکھتا ہے اِسی طرح بادۂ عقیدت کا مخمور بھی بہت اُونچی فضا میں اُڑتا ہے اس کی عقیدت کا مقام اتنا بلند، اور وسعت اتنی ہمہ گیر ہوتی ہے کہ کل کائنات اِک ذرّۂ خاک دکھائی دیتی ہے۔ عقیدت کی یہ ہمہ گیری خدا کی بے پایاں عظمت کو بھی آغوش میں لینے کی سعی کرتی ہے۔ وہ اس طرح کہ انسان جس سے عقیدت رکھتا ہے پہلے تو وہ اُس کو خدا کا مقرب اور حاشیہ نشین تصوّر کرتا ہے۔ اور کبھی خالق کے مزاج میں دخیل خیال کرتا ہے۔ اور کبھی کبھی اپنے محبوب کو معبود سے بھی بلند پاتا ہے۔

دُنیا ہمیشہ سے محبّت اور عقیدت کی برپا کردہ تاریکیوں میں گھری رہی ہے۔ ہادیانِ برحق نورانی شریعتوں کے ساتھ دُنیا میں آئے۔ تاکہ پرستش غیر اللہ کی ضلالت سے انسان کو نکالیں۔ مگر عوام کو تو اپنے

جذبۂ عقیدت کی تسکین کے لئے کوئی پیکرِ محسوس چاہیئے۔ اس لئے بُتوں کی مذمت کرنے والے نیک لوگ موت کے بعد خود بتوں کی طرح پُوجے گئے۔ گناہگار انسان آلودگیوں کی وجہ سے خدا کی بخششوں سے مایوس ہو جاتا ہے۔ اس لئے کسی واسطہ اور وسیلہ کے طفیل خدا کے غضب سے بچنا چاہتا ہے۔ مجبوراً خدا کا قیاس امرا اور سلاطین پر کرتا ہے۔ جو نبض شناس وزرا۔ اور ہوشیار مشیروں کے ہاتھ میں موم کی ناک ہوتے ہیں۔ چنانچہ مشرک جہلا کی بڑی دلیل یہی ہے کہ جب حکام کے دربار میں وسیلے اور سفارش کے بغیر کام نہیں نکلتا تو خدا کے حضور میں انسانی سفارشوں کے بغیر کیونکر بار مل سکتا ہے۔ دُنیا میں بہت تھوڑے لوگ ایسے ہیں جنہیں خُدا کی ہستی سے انکار ہو، ہاں ایسے لوگوں کی کثرت ہے جو خدا کے وجود کا اقرار تو کرتے ہیں لیکن ان کے اقرار کا انداز کفر و انکار سے بدتر ہوتا ہے۔ کیونکہ عقلِ انسانی باری تعالےٰ کی صفات سمجھنے میں ٹھوکر کھا جاتی ہے۔ چنانچہ مشرکینِ عرب میں بھی بہت تھوڑے بُتوں کو خدا سمجھتے تھے۔ اکثر ان کو شفیع اور حصولِ نجات کا وسیلہ خیال کرتے تھے۔ اس لئے ان کی عقیدتمندی خدا کے خلاف۔ تو ہزار صلواتوں کی متحمل ہو سکتی تھی۔ مگر وہ بُتوں کے خلاف ایک لفظ سُننے کے روادار نہ تھے۔

مٹی اور پتّھر کے ان خداؤں اور شفیعوں کو عرب میں رواج دینے والا قبیلہ خزاعہ کا ایک شخص عمر نامی تھا۔ جو ملکِ شام میں گیا۔ اور ان حاجت رواؤں کو وہاں سے اُٹھا لایا۔ چند بُت کعبہ کے آس پاس لاکر نصب کر دیئے۔ حرمِ کعبہ کی مرکزیت کے سبب بُت پرستی کی اشاعت عام ہوئی۔ ہر قبیلے نے اپنا اپنا بُت الگ تراشا۔ طائف کا قبیلہ ثقیف لات کو۔ اور خزرج اور اوس کے یثربی قبائل منات کو پُوجنے لگے۔ مکّہ کے قریش وکنانہ عزّےٰ کے پرستار بنے ہبل کا بُت کعبے کی چھت پر نصب کیا گیا۔

بیشتر لوگوں کی عقل پر تو یوں پتّھر پڑے ہوئے تھے بعض حقیقت ناشناس لوگوں نے آفتاب اور ماہتاب کی چمک دمک دیکھ کر گمان کیا۔ کہ خُدا ان ہی خوبصورت آنکھوں سے دُنیا کو جھانکتا ہے انہیں اس حقیقت کا احساس کہاں کہ کواکب کے تحیّر خیز حُسن کا پروردگار اَور ہے۔ اور وہ حسینوں سے حسین اور مطہر و اطہر ہے۔ غرض اصنام پرستی اور مظاہر پرستی کی وبا جو ربع مسکون پر پھیلی ہوئی تھی۔ عرب اُس کی لپیٹ میں آچکا تھا۔ تاہم بعثتِ نبوی سے پہلے شرک کی اُن تاریکیوں میں کہیں کہیں توحید خالص کی تنویر بھی دکھائی دینے لگی تھی۔ کچھ جادہ شناس اور حقیقت طلب لوگ ایسے بھی تھے۔ جو جمادِ لا یعقل کے سامنے سربسجود

ہونے کو شرفِ انسانی کے دامن پر بدنما داغ سمجھتے تھے۔ ان میں سے ورقہ بن نوفل، عبداللہ بن جحش عثمان بن الحویرث اور زید بن عمرو مکّہ کے باشندے تھے۔ ان کے علاوہ دوسرے مقامات پر بھی ایسے لوگ موجود تھے۔ جو پکّے موحّد اور شرک سے مجتنب تھے۔ ان طالبانِ حقیقت میں دو ایسے عارفانِ عالی مقام تھے۔ جو مطلعِ اسلام پر آفتاب اور ماہتاب بن کر چمکے۔ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت ابوذر غفاریؓ کی ارواحِ سعیدہ بعثت سے پہلے نہ صرف ذاتِ باری تعالےٰ پر پورا ایمان رکھتی تھیں بلکہ مہرِ سپہرِ نبوّت، حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے انتظار میں تھیں۔ کہ کب وہ آفتاب طلوع ہو۔ اور ہم مزید روشنی حاصل کریں۔

مکّہ جس کا اصل نام بکّہ ہے۔ ساحلِ سمندر سے ساٹھ میل دُور پہاڑیوں میں محفوظ مقام ہے۔ خدا سے حکم پاکر اس جگہ حضرتِ ابراہیم علیہ السلام اور اُن کے بیٹے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے خُدا کا سادہ سا گھر تعمیر کیا۔ تاکہ لوگ عبادت کے لئے جمع ہوں۔ اس گھر کی نہ چھت نہ دروازہ نہ دہلیز تھی۔ اِس ارضِ پاک کی چاردیواری بلندی میں نو، طول میں بتیس، اور عرض میں بائیس گز تھی۔ اس برکت والے گھر کی کشش دُور و نزدیک سے لوگوں کو کھینچ لائی۔ اور پاک لوگوں کی ایک چھوٹی سی بستی آباد ہو گئی۔ جو پاسِ ادب سے اس کے اِرد گرد

عمارت نہ بناتے تھے۔ صرف خیموں میں ہی بسر اوقات کیا کرتے تھے۔
مکہ میں سب سے پہلی عمارت ایک شخص سعد یا سعید بن عمر نے بنائی
سب سے پہلے یمن کے حمیری بادشاہ اسد تُبّع نے حرمِ کعبہ پر غلاف
چڑھایا۔

انقلاب عالم کی نیرنگیاں دیکھو۔ حرمِ کعبہ جس کی بنیاد دُنیا کے
مشہور بُت شکن حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ڈالی۔ اب اِس
ارضِ پاک میں تین سو ساٹھ بتوں نے اپنا اکھاڑہ جمالیا۔ ہبل کا
بزرگ بُت جو سقفِ حرم پر نصب تھا۔ خدائے قدوس کی عظمت و
جلال کو چیلنج دینے لگا۔ ان کے پوجنے والے گلزارِ ابراہیمی کے وہ نونہال
ہیں۔ جو گلِ توحید بنے رہنے کے بجائے چشمِ کعبہ میں خارِ شرک ہو کر
کھٹکنے لگے۔ خانۂ خدا کے ان دو پاک معماروں یعنی حضرت ابراہیم اور
حضرت اسمٰعیل علیہما السلام کو کیا خبر تھی کہ خُدا کے اس گھر میں کبھی
بُتوں کی خدائی ہو گی۔ اور خود انہیں کی اولاد مٹّی کی مورتیوں کے سامنے
جھک جائے گی۔

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ساٹھ پشتیں گذریں تو اس
شرک و کفر کے خزاں دیدہ شہر میں پھر بہار آئی۔ مکّہ جو مشرکوں کا مرکز
بن گیا تھا۔ محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم کا مولد بنا۔ نئے سرے سے خدائے

واحد کا گھر قرار پایا اور اس طرح اسلام کا مسکن بن گیا۔

حضرت اسمٰعیلؑ کے بارہ بیٹوں میں سے ایک قیدار تھے جن کی نسل حجاز میں پھلی پھولی۔ ان ہی کی اولاد میں عدنان تھے۔ اس خاندان کے شجر کا بہترین میوہ آنحضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ حضورؐ کا سلسلۂ نسب اس طرح پر ہے۔

محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان۔

عدنان کی نویں پشت میں نضر بن کنانہ ہیں۔ جو قریش کے مورث معروف ہیں۔ ان کی اولاد میں قصی ہوئے ہیں جنہوں نے دارالندوہ کی بنیاد ڈالی۔ اور کعبہ کے متولّی قرار پائے۔ ان کی تولیت میں حرم کے مختلف مناصب قائم ہوتے قصی کے چھ بیٹے ہوئے۔ عبدالدار، عبد مناف، عبدالعزیٰ، عبد بن قصی، تخمر، برہ، ان میں عبدالدار عمر میں بڑا عقل میں کم تھا۔ اس لئے قصی کے دنیا سے کوچ کرنے کے بعد حرم کی تولیت کا منصب عبدالدار کو ملا۔ اور ریاست عبد مناف نے سنبھالی۔ عبد مناف کے چھ بیٹوں میں سے ہاشم صاحبِ حشم تھے۔ اُنہوں نے عبدالدار کے خاندان سے سقایہ اور رفادہ کے

مناصب حاصل کر کے حجاج کو آرام پہنچایا، قیصر روم اور شاہ حبشہ سے قریش کے مال تجارت کو محصول سے مستثنیٰ کرایا۔ قبائل میں بھاگ دوڑ کر قافلوں کی حفاظت کے حلف لئے۔ ہاشم جب تجارت کی غرض سے شام گیا۔ تو واپسی پر مدینہ ٹھہرا۔ اتفاق سے وہاں سالانہ میلے پر ایک حسین عورت نظر آئی، جو چندے آفتاب اور چندے ماہتاب تھی جس کی آنکھوں سے حیا ٹپکتی تھی۔ اور ماتھے پر اقبال چمکتا تھا۔ بنو نجار کی اس بی بی کا نام سلمیٰ تھا۔ ہاشم نے بنو نجار سے شادی کی درخواست کی۔ جو قبول کر لی گئی۔ سلمیٰ کے بطن سے عبدالمطلب پیدا ہوئے۔ عبدالمطلب کے دس بیٹوں میں سے پانچ نے اپنے کفر یا اسلام کی وجہ سے عزت یا ذلت پائی۔ ابولہب نے حُسن کی دولت پائی مگر ایمان سے بے بہرہ مرا۔ ابوطالب نے مرتے دم تک محمد رسول اللہ[۳] کی محبت سے مُنہ نہ موڑا۔ حمزہ، عباس رضی اللہ عنہما مشرف باسلام ہوئے۔ عبداللہ کی عمر نے وفا نہ کی مگر دُنیا میں وہ گنج گرانمایہ بطور یادگار چھوڑا جو احمدؐ اور محمدؐ کے نام سے چاردانگ عالم میں مشہور ہوئے۔

طوالت کے اندیشہ سے یہ حکایت عرب کے مذاہب اور تمدن کی اس مختصر سی روئداد پر ختم کی جاتی ہے۔ اس سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ عجم کی حالت عرب سے بہتر تھی۔ اس زمانہ کی تاریخ کے اوراق اُلٹ

پلٹ کر دیکھو تو معلوم ہو جائیگا کہ عصیاں کے طوفان نے نہ صرف عرب کو گھیر رکھا تھا بلکہ عجم کی حالت اس سے بدتر تھی۔ شیطان نے دُنیا کے ہر گوشے میں دھما چوکڑی مچا رکھی تھی۔ زمین گناہوں کی آلودگیوں سے نالاں تھی۔ دل تو چاہتا تھا کہ اس زمانہ کے طغیان کی پُوری تفصیل لکھی جائے مگر قلیل فرصت کسی داستان کی متحمل نہیں۔ تاریخ کے طالب علم کو اس زمانہ کے حالات سے خود آگاہی حاصل کرنا چاہیئے تاکہ معلوم ہو جائے۔ کہ آفتابِ رسالت طلوع ہونے سے پہلے کسی طرح نیکی معصیت کے دامن میں مُنّہ چھپا چکی تھی۔

عبدالمطلب دس بیٹوں کا باپ تھا۔ شفقتِ پدری اس باغ و بہار کو دیکھ کر نہال تھی۔ دل آرزومند تھا کہ یہ نونہال پھلیں پھولیں، اور بارآور ہوں۔ چنانچہ باپ نے منت مانی کہ جب یہ نہالِ نورس پروان چڑھیں گے تو اس پُر بہار گلزار کا ایک شگفتہ پھول خدا کی نذر کروں گا۔ جب دسوں لڑکے جوان ہوئے تو منت پُوری کرنے کا وقت آگیا۔ عبدالمطلب بیٹوں کو لے کر کعبہ میں آئے۔ پجاری سے کہا کہ قرعہ ڈالو۔ جس کے نام پر قرعہ نکلے وہی بھینٹ چڑھایا جائے۔ خدا کی حکمت کہ محبوب نبیؐ کے باپ عبداللہ کے نام قرعہ نکلا۔ چنانچہ باپ اسی محبوبِ درگاہ بیٹے کو قربان گاہ کی طرف لے چلا۔ بہنوں نے بھائی کی محبت میں رو رو کر

سامنے [illegible] کی چھری باندھ دی۔ کیا تعجب تھا کہ باپ کا عزم بیٹوں کے آنسوؤں کی روانی میں بہ جاتا۔ یا بھائی کا دل بہنوں کے بین سن کر بیٹھ جاتا۔ مگر ابراہیم اور اسمٰعیل علیہما السلام کا ایثار پیش خاطر تھا۔ [illegible] ذبیح اللہ کا خون ان کی رگوں میں دوڑتا تھا۔ نہ باپ رکا نہ بیٹا ہچکچایا۔ تاہم جب وہ قربان گاہ کی طرف بڑھے تو بزرگانِ قریش کے دل میں یہ خدشہ گذرا کہ کہیں بیٹوں کی قربانی خاندانی رسم نہ بن جائے۔ برادری میں برابری کے دعوے کے بغیر ناک نہیں رہتی۔ جو کام آج عبدالمطلب کریگا وہ کل سب کو کرنا ہوگا۔ چنانچہ عبدالمطلب پر زور دیا گیا کہ عبداللہ کے عوض دس اونٹ قربان کر دیئے جائیں۔ عبداللہ اور دس اونٹوں پر قرعہ ڈالا گیا۔ پھر بھی قرعہ عبداللہ کے نام نکلا۔ آخر معاوضہ بڑھاتے بڑھاتے سو اونٹ تک نوبت پہنچی تو قرعہ اونٹوں پر نکلا۔ اس طرح عبداللہ بچ گئے۔ اور فدیہ میں سو اونٹ قربان کئے گئے۔

جب مہنگی جنس اس طرح سستی ہاتھ آئی تو رشتے کی تلاش ہوئی قبیلہ زہرہ میں وہب بن عبدمناف کی صاحبزادی یعنی عالی نژاد آمنہ اور عبداللہ کے سنجوگ پر سب رضامند ہو گئے۔ چنانچہ سترہ برس کی عمر میں عبداللہ کا نکاح آمنہ بی بی سے ہو گیا۔ دستورِ عرب کے مطابق

عبداللہ تین دن سسرال میں رہے۔ پھر گھر چلے آئے۔ قضا نے مکّہ میں زیادہ ٹھہرنے نہ دیا۔ عبداللہ تجارت کی غرض سے شام گئے۔ واپسی پہ مدینہ میں ٹھہرے۔ بیماری کا بہانہ ہوا۔ دراصل موت کا وقت آگیا تھا۔ خاک کی چادر اوڑھ کر وہیں لیٹ گئے۔

مکّہ عرب بھر کا مذہبی مرکز اور مرجعِ خلائق بنا ہوا تھا۔ یمن کے حبشی حاکم اَبرہہ کو رشک ہوا۔ اس خیال سے کہ عقیدت یہیں کیوں طواف کرتی ہے۔ اور یقین مکّہ ہی میں کیوں سربسجود ہے۔ سخت بیقرار رہتا تھا۔ چنانچہ حرمِ کعبہ کے مقابلے میں یمن میں ہی ایک بڑا معبد بنایا۔ جو باوصف ہزار کوشش کے خانۂ خدا کا بدل نہ بن سکا۔ ایک حکومت کا غرور، دوسرے تعصّب کا جنون، دونوں نے مل کر اس کی شرابِ نخوت کو دوآتشہ کر رکھا تھا۔ حرمِ کعبہ کو ڈھانے کی نیّت سے بے وقت کے بادل کی طرح گرجتا کڑکتا ہوا اُٹھا۔ ہاتھیوں کی فوج لے کر جھومتا جھامتا بڑھا اور کالی گھٹا کی طرح سر پہ چڑھ آگیا۔ اہلِ مکّہ کی عظمت کا انحصار تو محض حرم کی برکت پر تھا۔ اس خبر سے وحشت اثر کو سن کر سب کا رنگ فق ہو گیا۔ ابرہہ کی باقاعدہ فوج سے مقابلہ کی تاب و تواں نہ تھی۔ حیران تھے کہ کیا کریں اور کس کی سفارش لائیں۔ اتنے میں لشکریوں نے شہریوں کے مویشی

کو دولتِ خدا داد سمجھ کر لوٹنا شروع کر دیا۔ اور کسی نے عبدالمطلب کے سو اُونٹ بھی ہتیا لیے۔ عبدالمطلب ابرہہ کے پاس پہنچے۔ شکل و شباہت سے وجاہت ٹپکتی تھی۔ ابرہہ یہ سمجھا کہ عبدالمطلب اہلِ مکّہ کے ایلچی ہیں۔ اور کوئی التجا لے کر آتے ہیں۔ اس لئے بڑے تپاک سے ملا۔ اور عزّت سے پاس بٹھایا۔ عبدالمطلب نے چھوٹتے ہی سو اُونٹوں کا قصّہ چھیڑ دیا۔ اَبرہہ عبدالمطلب کے مطالبہ پر حیران ہوا اور برافروختہ ہو کر بولا کہ اے عبدالمطلب! تم اُونٹوں کے طالب ہو مَیں حرمِ کعبہ پر ہل چلانے آیا ہوں۔ عبدالمطلب نے کہا کہ مَیں اُونٹوں کا مالک ہوں مجھے اُن کی فکر ہے۔ کعبہ کا مالک کعبہ کی خود فکر کریگا۔ وہ غرور کے نشہ میں چُور ان باتوں پر کب کان دھرتا تھا۔ فاسد نیّت سے بڑھتا بڑھتا مکّہ کے نواح میں آ گیا۔ لوگ مقابلے کی تاب نہ لا سکے۔ اور گھر بار چھوڑ کر پہاڑوں میں پناہ گزیں ہو گئے۔ مایوسیوں میں دُعا ہی انسان کی آخری اُمید ہوتی ہے۔ عبدالمطلب نے غلافِ کعبہ تھام کر دُعا کی کہ اے صاحبِ خانہ! ہم ناتوانوں میں مقابلہ کی تاب و تواں نہیں اِس لئے تُو اپنے گھر کی حفاظت آپ ہی کر۔ کہتے ہیں کہ آسمان پر کچھ شور ہوا۔ نگاہیں اُوپر کو اُٹھ گئیں۔ سامنے ٹڈی دل آسمان پر

محیط دکھائی دیا۔ قضا سے لشکریوں پر کنکریوں کی بارش شروع ہوگئی۔ دیکھتے دیکھتے دشمن خدا کے غضب کا شکار ہوا۔ ان کنکریوں کی تاب نہ لاکر لشکر درہم برہم ہوگیا۔ سورۂ فیل میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ کوتاہ اندیش عقل کو شک و انکار کا حق حاصل ہے۔ لیکن دنیا کے لاکھوں حوادث ایسے ہیں جن کی کنہ عقل کی دسترس سے باہر ہے۔

# طلوع

وجدان نے چودہ سو سال کی اُلٹی زقند لگا کر پہلے زمانہ کے واقعات کو تخیّل کی نظر سے دیکھا۔ دُنیا بداعمالیوں سے ظلمت کدہ بنی ہُوئی تھی۔ کفر کی کالی گھٹا ہر طرف تُلی کھڑی تھی۔ عصیاں کی بجلیاں آسمان پر کوندتی تھیں۔ نیکی نفس کی طغیانیوں میں گھری ہوئی تھر تھر کانپ رہی تھی۔ وہ راہ سے بھٹکی ہوئی آس اور یاس کی حالت میں اِدھر اُدھر دیکھ رہی تھی۔ کہ کہیں روشنی کی کرن پھُوٹے اور اُسے سلامتی کی راہ مل جائے۔ وہ کفر کے اندھیرے میں ڈرتے ڈرتے قدم اُٹھا رہی تھی۔ دیکھو وہ چند قدم چل کر رُک گئی۔ سرِ راہ دو زانو ہو کر عالمِ یاس میں سینے پر ہاتھ باندھے گردن جُھکائے مصروفِ دُعا ہو گئی اور نہایت عجز اور الحاح سے بولی۔ اے نُور و ظلمت کے پروردگا! مَیں غریب اس پُر ہول اندھیرے میں کب تک بھٹکتی پھروں۔ اے آقا! اپنے کرم سے اس نور کا ظہور کر۔ جو ظلمت کدہ دہر کو منوّر کر دے۔ وہ نور پیدا کر، جو بے بصر کو طاقتِ دید بخشے۔ اس نے آمین آمین کہہ کر سر جھکایا۔ یک بیک اُس کے دل میں خوشی کی لہر اُٹھی اور اُس

کے رُخسار نوشگفتہ گلاب کی پنکھڑیوں کی طرح شاداب نظر آنے لگے۔ کیونکہ اسے قبولیتِ دُعا کا القا ہو رہا تھا۔ پھر اُس نے آہستہ آہستہ ستاروں سے زیادہ روشن آنکھیں اُٹھائیں۔ کفر کی گھٹائیں چھٹ رہی تھیں۔ اُفقِ مشرق پر محبّت کی کہانی سے زیادہ دلکش پو پھٹ رہی تھی۔ آفتابِ ہدایت کے طلوع کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔

۲۰۔ اپریل ۵۷۱ء مطابق ۹۔ ربیع الاول دوشنبہ کی مُبارک صبح کو قدسی آسمان پر جگہ جگہ سرگوشیوں میں مصروف تھے۔ کہ آج دعائے خلیل اور نویدِ مسیحا مجسّم بن کر دُنیا میں ظاہر ہو گی۔ حوریں جنّت میں تزئینِ حُسن کئے بیٹھی تھیں۔ کہ آج صبح کائنات کا غازہ نمودار ہو گا۔ جس کے عالمِ وجود میں آتے ہی شرک اور کفر کی ظلمت کافور ہو جائیگی۔ لوگ اپنے پروردگار کو پہچاننے لگیں گے نسلِ وخون کے امتیاز کی لعنت مٹ جائیگی۔ غلام اور آقا ایک ہو جائینگے۔ شبنم نے عالمِ ملکوت کی ان باتوں کو سُنا۔ اور یہ پیامِ مسرّت کرّہ ارض کے کانوں تک پہنچا دیا۔ وہ خوشی سے کِھل گئے۔ کلیاں مُسکرانے لگیں۔ دن کے دس بجے بی بی آمنہ کے بطن سے وہ لعلِ جہاں تاب پیدا ہوا۔ جس کے لئے قعرِ ذلّت میں گری ہوئی اِنسانیّت کو اُٹھانا غریب اور غلام کو بڑھانا؛ عورت کو مرد کے

برابر کر دکھانا ازل سے مقدّر ہو چکا تھا۔

وہ نومولود زچہ خانہ میں مسکرایا۔ اس کائنات ارضی کا ذکر کیا ہے۔ فضائے ملکوت میں بھی مسرت کی لہر دوڑ گئی۔ کیونکہ دُنیا کو سچی خوشی کا سبق اس سے ملنے والا تھا۔ کفر سجدہ میں گر گیا۔ ادیانِ باطلہ کی نبضیں چھوٹ گئیں۔ عبداللہ کا بیٹا آمنہ کا جایا دُنیا میں کیا آیا۔ دُنیا پر مستقل ترقی کے دروازے کھل گئے۔ کائنات کی خوابیدہ قوتیں بیدار ہو کر مصروفِ عمل ہو گئیں۔ انسانیت کی تعمیر اخوّت و مساوات کی خوشگوار بنیادوں پر شروع ہوئی۔ متلاشیانِ حق کو ایسا عرفانِ الٰہی عطا ہوا کہ ماسوی اللہ کا خوف خودبخود دل سے جاتا رہا۔

عبدالمطلب کو جب معلوم ہوا کہ عمل و اخلاق کی حدِ کمال نے انسانی پیکر اختیار کر لیا ہے۔ تو دل نے دُعاؤں کی پرورش کی۔ اس خیال سے کہ یہ مولودِ انسان کا ممدوح ہو۔ اس کا نام محمدؐ رکھا۔ انسانیت کے اس کمال کا عالمِ وجود میں آنا انسانوں کے لئے کس قدر باعثِ برکت ہوا۔ اس کا حال دُنیا میں پھیلی ہوئی روشنیِ علم اور ترقی تہذیب سے پُوچھو۔ مسلمان اس دن کو یاد کر کے جتنا مسرور ہو کم ہے۔ کیونکہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم

کی تعلیم نے دُنیا کو مسرتوں سے بھر دیا۔ لیکن مسلمانوں نے اس خوشگوار یاد کو دل میں تازہ رکھنے کے لئے کیا کیا۔ مولود پڑھا۔ نعتیں سُن کر رات آنکھوں میں کاٹی۔ جب عین نماز فجر کا وقت ہوا تو سو گئے۔ ہندوستان میں میلاد کی محفلوں پر اربوں روپے صرف ہوئے مگر مسلمانوں کے پاس اپنی اور انسانیّت کی تعمیر کے لئے پائی تک نہیں۔ کاش مسلمان اس دن اپنے چندوں سے تربیتِ اطفال کے لئے مرکز قائم کریں۔ تاکہ اولوالعزم بچّے پیدا ہوں۔ جو تعلیمِ اسلام کو عام کریں۔ اور دُنیا سے اپنا لوہا منوائیں۔ دُنیا کے سب سے بڑے خادم کی یاد تعمیری کام سے منانی چاہیئے۔ صرف نعتیں پڑھ دینے سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلّم کے مشن کو تقویت نہیں پہنچ سکتی۔ باتوں سے نہیں عمل سے اسلام کا بول بالا کرو۔ مخلوق کی خدمت کے لئے مواقع تلاش کرو۔

بچّے کی صحت کی حفاظت ماں باپ کا مقدس فرض ہے۔ توانا جسم تندرست رُوح کا مسکن ہوتا ہے۔ جب جسم توانا اور رُوح تندرست ہو تو ارادہ دُنیا کو مسخر کرنے نکلتا ہے۔ ورنہ عزم چند قدم چل کر مٹی کے ڈھیر پر بیٹھ جاتا اور تیز رو مسافروں کو حسرت کی نظر سے دیکھتا ہے۔ اہلِ عجم پر عربوں کی فتح کا ایک اہم سبب

اُن کی قوّتِ برداشت ہے۔ جنگ جُو عرب کی قوّت کا انحصار تربیّتِ اطفال پر تھا۔ ملک کا دستور تھا کہ قصبات کی بیبیاں بچّہ پیدا ہوتے ہی دیہات میں اُس کی پرورش کا انتظام کرتی تھیں۔ تاکہ کھُلی ہوا اور آزاد فضا میں جسم کی مناسب نشوونما ہو سکے۔ اور ان میں مردانگی کے جوہر پیدا ہوں۔ اور وہ جوان ہو کر دشمن کے سامنے سر نہ جھکا دیں۔

آپ کی والدہ آمنہ نے پیدائش کے دو تین روز بعد دُودھ پلانے کے لئے آپ کو ابولہب کی لونڈی ثوبیہ کے سپرد کر دیا۔ کچھ دنوں کے بعد حسبِ دستور قبیلۂ ہوازن کی عورتیں شہر میں آئیں۔ تاکہ کوئی بچّہ اُجرت پہ دُودھ پلانے کو مل جائے۔ ان عورتوں میں سے مائی حلیمہ بی بی آمنہ کے گھر آئیں۔ آنحضرتؐ کو یتیم جان کر سوچ میں پڑ گئیں۔ تقدیر نے کہا۔ حلیمہ! گدڑی کو نہ دیکھ لعل کو دیکھ۔ دین و دُنیا کی دولت کو چھوڑ کر خالی ہاتھ نہ جا۔ اس کے نام سے تیرا نام رہیگا۔ اس کی دایہ بن۔ اور دُنیا میں عزّت حاصل کر۔ بی بی آمنہ نے اپنے لختِ جگر کو جب مائی حلیمہ کے سپرد کیا ہوگا بیٹے کی جُدائی کے تصوّر نے قلب میں قلق کے کتنے طوفان اُٹھائے ہونگے۔ مگر آزاد قوم کی بہادر عورتیں بچّوں کی جُدائی برداشت

نہ کریں، تو اپنی نسل میں غلامی اور ادبار کا ورثہ چھوڑ جائیں۔ جو
آئیں غم کے آنسو بہا کر بچّوں کو تربیت گاہوں اور جنگ و پیکار
کے میدانوں میں جانے سے روکتی ہیں۔ انہیں قدرت فرزندوں
کی کامیابی پر خوشی کے آنسو بہانے کا موقع نہیں دیتی۔
دائی حلیمہ بچّے کو لے چلی۔ بی بی آمنہ نے نورِ نظر کے صحت و سلامتی
سے واپس لوٹنے کی دعائیں مانگیں۔ خدا کی برکتیں قریش کے گھر سے
نکل کر ہوازن کے قبیلہ میں داخل ہوگئیں۔

جو موتی ریت کی تہ میں پائے جاتے ہیں، دُرِّ شہوار بنتے ہیں
مٹی اور پتھر میں رُلنے والے ہیرے کوہِ نور کہلاتے ہیں۔ غریب
بچّوں کے لئے قدرت کی یہ تسلیاں ہیں۔ محمدؐ حلیمہ کی گود سے مچل کر
زمین پر بیٹھنے کی سعی کرتے ہیں۔ حلیمہ! انہیں سخت زمین پر کھیلنے
اور اٹھ اٹھ کر گرنے سے نہ روک۔ ان کے ارادہ میں سختی پیدا
ہونے دے۔ تاکہ اُن کی عزیمت کے سامنے لوہا، پانی اور پتھر
موم ہو جائے۔ انہیں زمین پر کھیلنے دے۔ قالینوں پر لوٹنے والے
بچّے ارادے کے کمزور ہوتے ہیں۔

دیکھو۔ سعید فطرت بچّہ قدرت کے مکتب میں تعلیم پا رہا ہے۔
اب پانچ برس کی عمر ہے۔ رضاعی بہن شیما کے ساتھ بھولی بھٹکی

بھیڑ بکریوں کے پیچھے پھرتا ہے۔ اور انہیں گلّہ میں واپس لانے میں مدد دیتا ہے۔ جب کسی بھیڑ بکری کو گھیر کر واپس لاتا ہے تو اُسے دُنیا مسرّت سے بھری ہوتی معلوم ہوتی ہے۔

کھلی ہوا اور بکریوں کے پیچھے دوڑ دُھوپ نے بچّے کے ہاتھ پاؤں مضبوط کر دیئے ہیں۔ جب چھ برس کے بعد بچّہ لوٹا۔ تو ماں نازک پودے کو مضبوط پاکر باغ باغ ہوگئی۔ کیونکہ مضبوط بازُو ہی تو بچّے کی آیندہ کامرانیوں کے عنوان ہیں۔ یا کیا زبیوہ خوشی کے زمانے میں کیوں زیادہ روتی ہے۔ ظاہر کی آنکھ بعد جہاں خوشی کے نظاروں میں مصروف ہوئی۔ فوراً ہی سرتاج کی یاد تازہ ہوگئی۔ جس کے خاک میں مُنہ چھپانے کے بعد سینہ آرزوؤں کا مزار بن جاتا ہے۔ بی بی آمنہ کے دل میں فرزند نے خاوند کی یاد تازہ کردی۔ بیوہ کے سوا کون جانتا ہے کہ خاوند کے مرقد میں کتنی کشش ہوتی ہے۔ شوہر کی موت کے بعد بیوہ کے لئے دُنیا میں اس سے زیادہ خوشی اور اطمینان کی بات کیا ہے کہ وہ اس کی چھوڑی ہوئی نشانی کو لے کر خاوند کی قبر کے سرہانے کھڑی ہو اور آنسوؤں کے موتی نذر کرے۔

آمنہ چھ برس کے یتیم بیٹے کو ہمراہ لے کر خاوند کی قبر کی زیارت

کو گئیں۔ مہینہ سے زائد مدینہ میں اپنے میکے رہیں۔ کسی سیرت نگار نے ذکر نہیں کیا کہ کتنی دفعہ اپنے جگر گوشہ کو ساتھ لے کر آمنہ آنسوؤں کا انمول تحفہ نذر چڑھانے مرقدِ محبّت پر حاضر ہوئیں اور کتنی دیر دل کے ٹوٹے ہوئے آبگینوں کو مرقد کی مٹّی میں رُلاتی رہیں۔ ہاں صرف اتنا بتایا ہے کہ عمر میں جوان، غم میں بوڑھی بیوہ واپسی پر مقامِ ابوا میں انتقال فرما گئیں۔

آمنہ کی لونڈی اُمّ ِایمن اپنے یتیم آقا اور دو جہان کے سردار کو لے کر مکّہ پہنچی۔ اور آں حضرت دادا کے سایۂ عاطفت میں پرورش پانے لگے۔ دو سال کے بعد آپ کے دادا عبد المطلب بیاسی برس کی عمر میں اس ملک فانی سے جہانِ جاودانی کو سدھار گئے۔ آنحضرتؐ فرطِ محبّت سے غم کے آنسو روئے۔ باپ کے بعد ماں، ماں کے بعد اب دادا بھی وہاں جا رہے جہاں سے لوٹ کر کوئی نہیں آیا۔ اِن چھوڑ کر جانے والوں کے لئے آنسو بہانے کے سوا انسان کے بس میں اور ہے بھی کیا۔ اِس جہان سے جانے والو! تمہارے لئے رونا بھی فضول اور بن روئے رہنا بھی ناممکن!

عبد المطلب نے مرتے وقت اِس گنجِ گرانمایہ کو اپنے بیٹے

ابُوطالب کے سپرُد کیا۔ ابوطالب نے تا عُمر اسے جان سے لگائے رکھا۔ اور اپنی عمر کے تجربے اور تدبیریں اس کی حفاظت کے لئے وقف کر دیں۔ ایسا کیوں نہ ہوتا۔ ابوطالب جناب عبداللہ کے ماں جائے بھائی تھے۔ جوانا مرگ بھائی کی موت کا صدمہ بھتیجے کو دیکھ کر دُور ہو جاتا تھا۔

ابوطالب کثیرالاولاد اور قلیل المال تھے۔ اس لئے آنحضرتؐ کو بکریاں چرانے پر لگا دیا گیا۔ یہ پیشہ اکثر نیک لوگوں کے لئے بابرکت ثابت ہوا ہے۔ یہ دین و دُنیا کی فتحمندیوں کی تمہید ہے۔ گلہ بانی جہانبانی کا دیباچہ اس لئے ہے کہ جہاں جانبانی کے لئے قوئے مضبوط ہوتے ہیں۔ وہاں مویشی کی محبّت میں جان لڑا دینے کا جذبہ پختہ ہو کر انسان کی بے پایاں محبّت کے احساس میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ نبوّت کا حقدار اور نیکی کا حامل وہی ہے۔ جو مخلوق کی محبّت میں سرشار ہو کر ان تمام عناصر کو فنا کرنے کی قابلیّت رکھتا ہو۔ جو اس کی ترقی اور خوشی میں حائل ہیں۔ اس کے جسم اور رُوح کی بالیدگی قوموں کی رہنمائی کی ذمہ داری اُٹھا سکے۔ جسم اور رُوح کی ترقیوں کی حدِ کمال کا نام ہی پیغمبری ہے۔

سفرِ شا

آپ کی عمر بارہ برس کی تھی۔ کہ ابوطالب تجارت کی غرض سے شام کے سفر کو چلے۔ آپ چچا سے لپٹ گئے۔ ابوطالب کو آپ سے خاص اُنس تھا۔ چنانچہ اُنہوں نے اس خیال سے کہ بچّے کا دل نہ ٹوٹے۔ آپ کو ساتھ لے لیا۔ آپ نے اس کے بعد شام، بصرہ اور یمن کے متعدّد سفر کئے۔

لڑائی
شرکت

جب آپ کی عمر بیس سال کی تھی، تو قریش اور قیس کے قبیلوں کی مشہور لڑائی میں آپ نے شرکت کی۔ یہ معرکہ حربِ فجار کے نام سے مشہور ہے۔ اس جنگ میں آپ نے کسی پر ہاتھ نہیں اُٹھایا۔ ہاں اپنے چچوں کو ترکش سے تیر نکال کر دیتے رہے۔ اس طویل جنگ نے ایک عرصے کے لئے دونوں جنگجو قبیلوں کو امن پسند بنا دیا۔ اور کچھ عرصے کے لئے خانہ جنگیوں کا سدِّباب ہو گیا۔ آخر یہ جنگ ایک معاہدہ پر ختم ہوئی۔ جس کا نام حلف الفضول ہے۔ متحارب قبیلوں کے ہر فرد نے اقرار کیا۔ کہ ہم زیردستوں کو بچائیں گے۔ آپ نے بھی اس معاہدہ میں شرکت کی۔ زمانۂ نبوّت میں آپ فرمایا کرتے تھے۔ کہ اس معاہدے کے مقابلے میں اگر مجھ کو سُرخ رنگ کے اُونٹ دیئے جاتے، تو میں قبول نہ کرتا۔ اور اگر آج بھی کوئی ایسے معاہدے

کے لئے مجھے دعوت دے تو میں حاضر ہُوں۔

حسنِ تدبیر

آپ کے حسنِ تدبیر کا ایک واقعہ سیرت کی کتابوں میں مرقوم ہے۔ بعض لوگوں نے کعبہ کی از سرِ نو تعمیر کے لئے مختلف حصّے باہم تقسیم کر لئے۔ حجرِ اسود کے نصب کرنے کا موقع آیا تو اِس شرف کے حاصل کرنے کے لئے تلواریں کھنچ گئیں۔ عرب کے دستور کے مطابق دعویداروں نے خون سے بھرے پیالے میں انگلیاں ڈبو ڈبو کر جان لڑا دینے کی قسم کھائی۔ چار روز تک یہی جھگڑا رہا۔ بالآخر ایک بزرگ نے یہ تجویز پیش کی کہ کل صبح جو شخص سب سے پہلے حرمِ کعبہ میں آئے وہی ثالث قرار پائے چنانچہ یہ رائے تسلیم کر لی گئی۔ حُسنِ اتفاق سے سب سے پہلے حرمِ پاک میں آپ ہی پہنچے۔ اس تجویز کے مطابق ہر چند یہ شرف تنہا آپ کا حصّہ تھا۔ تاہم آپ نے سب قبیلوں کو شریکِ سعادت کیا۔ آپ کی رائے کے مطابق ہر قبیلے نے اپنا سردار منتخب کیا۔ آپ نے چادر بچھا کر حجرِ اسود کو اس میں رکھا۔ اور قبائل کے نمائندوں سے کہا کہ چادر کے کناروں کو تھام کر اُوپر اُٹھائیں۔ جب چادر مقامِ ابراہیم کے برابر آگئی۔ تو آپ نے پتھر اُٹھا کر نصب کر دیا۔ خدا کے جس گھر کا سنگِ بُنیاد آپ کے دادا

ابراہیم علیہ السلام نے رکھا۔ اس کا سنگِ تکمیل اس سپوت نے اپنے ہاتھ سے نصب کیا۔ خدا کے گھر کا یہ آخری معمار دینِ حنیف کی عمارت کو بھی پایۂ تکمیل تک پہنچانے والا ثابت ہوا۔ دینِ متین کی عمارت اس کے ہاتھوں ایسی مکمل ہوئی کہ پھر کسی نئے نقش و نگار کی ضرورت باقی نہ رہی۔

کون ایسا باکمال مصوّر ہے۔ جو اپنے مُوقلم کی جُنبشوں سے نواحِ عرب کے ایک پاکباز نوجوان کی تصویر کھینچے۔ جس کی حیا سے دُنیا پارسائی کا سبق لے۔ جس کے لب قہقہہ سے ناآشنا ہوں۔ جس کا ہلکا سا تبسّم اندھیرے کو اُجالا کر دے۔ ہاں مصور! رنگوں کی آمیزش میں اعتدال پیدا کر۔ تاکہ پاک صورت میں نیک سیرت اس طرح جھلکتی نظر آئے کہ یہ تصویر نور کا جلوہ دکھائی دے۔ چہرے کے نقوش قلب کی بہترین کیفیتوں کے آئینہ دار ہوں۔ روئے روشن سے فاتح کی شان پیدا ہو۔ مگر نشانِ تکبّر ہویدا نہ ہو۔ وہ اہلِ دُنیا کو دُکھوں میں مبتلا دیکھ کر اندوہگین نظر آئے۔ مگر زمانے کی تلخیوں سے سرگرجبیں نہ ہو۔

کوئی ایسی تصویر بنا! جو مادیت کی آلودگیوں سے پاک ہو اور اُس پر وجدانی کیفیّت اور رُوحانی سکوت طاری ہو۔ لیکن اس پر عمل

سے بھاری اور عزم سے خالی انسان کا گمان نہ ہوسکے بلکہ اُس کے سکوت میں ہنگامے ہوں۔ اس کے دلکشا تیوروں میں مشکل کشائی کے ارادے چھپے ہوں۔

وہ سادہ لباس میں ہو۔ مگر آنکھوں میں قناعت کی کائنات بھری ہو۔ اس کی بھرپور جوانی اور متناسب اعضا اور محتاط عادات محفوظ زندگی کی شہادت دیتے ہوں۔

قد درمیانہ ہو۔ تاکہ نہ وہ کسی کو کمتر سمجھے اور نہ کوئی اُسے حقارت سے دیکھے۔ اس کے رنگ میں اعتدال ہو۔ تاکہ افریقہ کے کالے اور یورپ کے گورے کے لئے اس میں محبوبیّت ہو اور دُنیا کا نقشہ اس کے پاؤں تلے اس طرح بچھا رکھا ہو کہ رحمت کی ہواؤں سے اس کا دامن کرم اُڑتا اُڑتا تمام عرب و عجم کو اپنے سائے میں لے لے۔

مُصوّر! حُسنِ متین کی ایسی دل آویز تصویر بنا۔ کہ جو دیکھے کہے کہ یہ سب سے بڑے صنّاع کی افضل ترین مخلوق ہے۔

قیدِ جہت سے آزاد ایک آواز سُنائی دی۔ کہ اے مُصوّر کے متلاشی! غور تو کر۔ کہ نام نہاد مسلمانوں نے اپنے سجدوں کے لئے پہلے ہی لاکھوں آستانے تلاش کر رکھے ہیں۔ اگر تیرے ممدوح

کی تصویر جائز ہوتی۔ تو کون عقیدتمند تصویرِ جاناں در بغل نہ رہتا۔ اور حاجت روائی کے لئے اس تصویر کے سامنے دن میں ہزار بار سجدے نہ کرتا۔ اس زمانے میں ماسوا پرستی کا یہ حال ہے۔ کہ دستِ رحمت ہی سنبھالے تو کوئی سنبھل سکتا ہے۔ اگر تیرے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلّم کی تصویر حرام نہ کر دی جاتی۔ تو یہ دُنیا کا بہت بڑا فتنہ ثابت ہوتا۔

جوانی زندگی کی شگفتہ بہار ہے۔ نقرئی چاندنی کی سرمستی و سرشاری میں حُسن دعوتِ لُطف اندوزی دیتا ہے۔ اس زہد شکن موسم میں توبہ بھی پیغمبری ہے۔ لیکن اس کی سُہانی راتوں کی لطیف رعنائیوں سے اثر پذیر نہ ہونا صرف ان انسانوں کا کام ہے۔ جن کی شان ادراک کی سرحد سے پار ہے۔ عمر کے اس حصّہ میں جب کہ رنگین خواب دلپذیر نغموں سے معمور ہوتے ہیں۔ اور انسان کیف و سرور میں کھویا ہوا ہوتا ہے۔ گناہوں سے اجتناب بڑی کامیابی ہے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلّم ایسی فطرتِ سعید کے مالک تھے۔ کہ جذبات کا بے قابو ہونا تو کجا، خیال کا دامن بھی آلودگیوں سے نہ چھُوا تھا۔ دوست اُن کے کیریکٹر کی عظمت کو دیکھ کر دنگ رہ گئے۔ دُشمن اُن کی پاکبازی کے معترف ہوگئے۔

جس ملک میں حُسنِ بے نقاب کو کھلے بندوں متاعِ ایمان پر ڈاکہ ڈالنے کی اجازت ہو۔ عشق کی کشاکش سے بچ نکلنا ایسی سعادت ہے۔ جو ہوسناکیوں کا حصّہ نہیں ہو سکتی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی جوانی شبنمِ صبح کی طرح آلودگیوں سے پاک تھی۔ اس پاکباز پر بڑھاپے میں الزام تراشی مخالفوں کی دشمنی ہے۔ واقعہ نہیں۔

آپ سے جس نے معاملہ کیا، دیانتدار پایا۔ اس دیانت اور پرہیزگاری کی وجہ سے زبانِ خلق نے جو نقارۂ خدا ہے آپ کو "امین" کہہ کر پکارا۔ آپ کی امانت و دیانت کی شہرت گھر گھر پہنچی۔ ایک اُونچے گھرانے کی پاکباز اور متمول بیوہ خدیجہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا نے آپ کو شریکِ تجارت بنایا۔ اور دوسروں سے دُگنا حق الخدمت دیا۔ آپ کے حُسنِ معاملہ کو دیکھ کر خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے شریکِ زندگی بننے کی خواہش ظاہر کی۔ شادی کے اس پیغام کو حضور نے قبول فرمایا۔ جس طرح آپ اپنے مکارمِ اخلاق کی وجہ سے "امین" مشہور تھے۔ اسی طرح خدیجہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا پاکدامنی کی وجہ سے عورتوں میں "طاہرہ" کے نام سے معروف تھیں۔ ہر چند دونوں کے سن و سال میں تفاوت

تھا۔ بلکہ ذاتی اوصاف کی مناسبت نے ایک دوسرے کے لئے
کشش پیدا کر دی۔ چنانچہ مردوں کے ممدوح محمد صلی اللہ علیہ
وسلّم نے عورتوں میں سے ایک نیک سرشت خاتون کو شریکِ
زندگی بنانا پسند فرما لیا۔ شادی کے وقت سرورِ عالم کی عمر
پچیس برس کی تھی۔ اور حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر چالیس
کے لگ بھگ تھی۔ متاہل زندگی میں دونوں کے تعلقات محبّت
کے میٹھے راگ کی طرح خوشگوار تھے۔ ان کی خوشیوں کی بہشت
میں غُصّہ اور وساوس کے سانپ نے راہ نہ پائی تھی۔ چڑچڑاپن
جو محبّت کی مقراض ہے۔ ان کے نخلِ شادمانی کو چھُو تک نہ گیا
تھا۔ انسانی کیریکٹر کی عظمت اسی میں ہے۔ کہ جس کو جس سے زیادہ
واسطہ ہو۔ وہ اس کی بڑائی کا زیادہ اقرار کرے۔ ریاکار کا ڈھول دُور
سے سُہانا معلوم ہوتا ہے۔ اسے قریب سے دیکھئے تو اُس کا پول
کھُل جاتا ہے۔ نیک انسان کے متعلق دُور رہ کر بدگمانیاں
رہتی ہیں۔ اس کا قرُب اس کی محبوبیت کو اور بڑھا دیتا ہے۔
حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو حضور صلعم کے حسن سلوک سے معلوم
ہو گیا۔ کہ میری دولت کیا دُنیا کی ساری دولت اُن کے خاکِ پا
کی قیمت نہیں ہو سکتی۔ حضور صلعم کے اخلاقِ عالیہ حضرت خدیجہ رضؓ

کی بڑی سے بڑی توقع کے مطابق تھے۔ اور آپ کی نیکی حضرت خدیجہ رضؓ کے تصوّر کی وسعتوں سے بھی زیادہ تھی۔ انہیں نہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم سے محبّت ہی تھی۔ بلکہ انہیں آپ کے کیریکٹر کی عظمت کا گہرا احساس تھا۔ دایہ سے پیٹ چھپایا جا سکتا ہے۔ مگر رفیقۂ حیات کی آنکھوں سے خاوند کا عیب و ثواب نہیں چھپ سکتا۔ اس لئے اس نیک بی بی کا اپنے سرتاج کے متعلّق حُسنِ ظن حضورؐ کی اعلےٰ سیرت کا ناقابلِ تردید ثبوت ہے۔

ناخلف اولاد برسرِ روزگار یا برسرِ اقتدار ہو کر غریب ماں باپ سے آنکھ چُراتی ہے۔ مگر صاحبِ زر خاتون کا محبوب خاوند عزیز رشتہ داروں سے مروّت اور ہمسایوں کی امداد میں لگ گیا۔ حضور صلعم کو ابوطالب کی مہربانیاں یاد تھیں۔ ایک دفعہ مکّہ میں قحط پڑا۔ آپ کو اپنے چچا کی عُسرت اور اولاد کی کثرت کا خیال آیا۔ اپنے دُوسرے چچا حضرت عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے پاس پہنچے اور کہا۔ کہ قحط سالی ہے اور چچا ابوطالب قلیل المال اور کثیر الاولاد ہیں۔ بہتر ہے کہ اُن کا بوجھ ہلکا کرنے کے لئے ایک لڑکے کو مَیں اپنے پاس لے آؤں۔ اور ایک کو آپ اپنے گھر

لے جائیں۔ انہوں نے یہ بات پسند فرمائی۔ دونوں ابوطالب کے پاس پہنچے۔ اور اظہارِ مدعا کیا۔ انہوں نے حضرت علیؓ کو تو حضورؐ کے سپرد کر دیا۔ اور جعفرؓ کو حضرت عباسؓ کے حوالے کیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عمر اس وقت پانچ برس کی تھی۔ پیغمبرِ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کا یہ تربیت یافتہ بچہ صاحب ذوالفقار اور اعلیٰ درجہ کا شہسوار بنا۔ اس نے خیبر شکن بازو اور شیر افگن قوت پائی۔ وہ بلند پایہ فلسفی، اعلیٰ درجہ کا ادیب اور شاعر بنا۔ دنیا میں بابِ علم اور صاحب فضل کہلایا۔ کاش مسلمانوں کی اولاد انہی خصوصیتوں کی حامل ہو۔

حضرت علیؓ تو خیر مہربان چچا کے بیٹے گویا اپنا ہی گوشت پوست تھے۔ تم بیگانے سے حضور صلعم کا حُسنِ سلوک دیکھو۔ زید حضور کا ایک غلام ایک عیسائی خاندان کا چشم و چراغ تھا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا بھتیجا حکیم بن حزامؓ اس کو کہیں سے خرید لایا۔ اور اپنی پھوپھی کی نذر کیا۔ حضرت خدیجہ رضؓ نے اُسے حضور صلعم کو سونپ دیا۔ یہ غلام گھر میں بچوں کی طرح پرورش پانے لگا۔ یہاں تک کہ اس کے باپ اور چچا اس کی تلاش میں حضور صلعم کے پاس پہنچے۔ اور درخواست کی کہ زید کو گھر بھیج دیا

جائے۔ آپ نے بخوشی قبول فرمایا۔ باپ اور چچا زید کی آزادی سے باغ باغ ہو گئے۔ مگر زید پر اوس سی پڑ گئی۔ اور دونوں کو صاف کہہ دیا۔ کہ مَیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر کہیں نہیں جا سکتا۔ باپ حیران ہو کر بولا کہ تو آزادی سے غلامی کو پسند کرتا ہے؟ اُس نے کہا کہ مَیں نے محمد صلعم میں وہ بات پائی ہے کہ ماں باپ کو ان پر ترجیح نہیں دے سکتا۔ حضور صلعم نے سب کو مخاطب کر کے کہا۔ لوگو! زید میرا بیٹا ہے۔ اور مَیں اس کا باپ۔ حارث نے سُنا تو خوش خوش گھر چلا گیا۔ یہ تھوتھی بات نہ تھی۔ جو کسی کم ظرف نے جوش میں آکر کہدی۔ اور مزاج اعتدال پر آیا۔ تو بھلا دی ہو۔ بلکہ اُس شفیق آقا نے غلام کے ساتھ جو قول کیا وہ عمر بھر نباہا۔ شادی کے لائق ہوا۔ تو اپنی پھوپھی کی لڑکی زینبؓ کے ساتھ نکاح کر دیا۔

خدا پر ایمان محمد صلعم کی جان تھی۔ کفر اور شرک کی رسموں سے پرہیز گویا حضور کی گھٹی میں پڑا تھا۔ منصبِ نبوّت پر پہنچنے سے پہلے کا واقعہ ہے۔ کہ قریش نے بُتوں کے چڑھاوے کا کھانا حضور صلعم کے سامنے لا کر رکھا۔ مگر اس موحّدِ برحق نے کھانے سے اجتناب کیا۔ آپ کو نمایاں ہونے اور بڑا بننے کا شوق نہ تھا۔

ہاں جو آپ کے قریب آتا تھا گرویدہ ہو جاتا تھا۔ آپ کی زندگی لہوو لعب، جھوٹ اور فریب سے پاک تھی۔

سیرت کی اس ہلکی سی جلوہ نمائی سے معلوم ہو گیا ہو گا۔ کہ آپ جسمانی صحت اور اخلاق میں ممتاز تھے۔ جب جسم اور روح آلائشوں سے پاک ہوتے ہیں۔ تو حسینوں سے حسین خدا کی محبت اُجڑی بستی کو بساتی ہے۔ اطمینان بخش ہوائیں عرش کے کنگروں کو بوسہ دے کر آتی ہیں۔ راحت کا سمندر اُمڈا چلا آتا ہے۔ انسان چاہتا ہے کہ غیروں کی مداخلت کے بغیر اس سرور سے کیف اندوز ہوتا رہے اس لئے وہ ایسے گوشۂ عزلت کو پسند کرتا ہے، جہاں پتّا نہ ہلے اور پرندہ پر نہ مارے مسرّت کے لاسلکی پیغام آسمان سے آتے ہیں۔ دل برکتوں سے معمور ہو جاتا ہے کبھی اضطراب اور غم سے پاک رقّت پیدا ہوتی ہے۔ آنکھیں ساون کی جھڑی کی طرح آنسو برساتی ہیں۔ لیکن باوجود اس اشک باری کے دل مسرتوں کا جلوہ زار بنا رہتا ہے۔ جب آپ کی عمر پینتیس برس کو پہنچی۔ تو خلوت کی کشش بڑھ گئی۔ آپ راتوں کو ایک غار میں جو مکّہ سے تین میل کے فاصلہ پر ہے جایا کرتے تھے۔ اس غار کا نام حرا ہے۔ حضور صلعم ستّو باندھ کر ہمراہ لے جایا کرتے۔

اور جب تک یہ ختم نہ ہو چکتے، وہیں قیام فرماتے۔ ان سکوت زا تنہائیوں کی کیفیتوں کا صحیح علم تو نبی کو ہی ہو سکتا ہے۔ مگر ناچیز اُمّتی کا یہ قیاس ہے کہ محولہ بالا کیفیت سے وہ ملتی جلتی کیفیت تھی۔ جو غارِ حرا کی کشش کا باعث تھی۔ اُمّتی کو یہ خوشگوار تجربہ اس وقت ہوتا ہے۔ جب اس کا حُسنِ عمل بارگاہ باری تعالےٰ میں مقبول ٹھہرے۔ تاکہ انسان سمجھ سکے کہ خدا اپنے بندے پر راضی ہو گیا۔ جس کسی کو یہ جانفزا تجربہ ہوتا ہے۔ وہ نادیدہ خدا کی رویت کے لئے رات کو اس شوق بھرے اضطراب سے اُٹھتا ہے۔ جس طرح عاشقِ دارفتہ کسی پیکرِ حُسن کی محبوبیت کا نظّارہ کرنے کے لئے ایک پُر شوق تشویش محسوس کر کے جلدی جلدی تیّار ہوتا ہے۔ گویا مطلوب ملاقات کے لئے منتظر کھڑا ہے۔ اور اُسے دیر ہو گئی تو ڈر ہے کہیں مایوس نہ لوٹ جائے۔ اور جب تمام چیزوں سے خالی الذہن ہو کر اس کے دھیان میں بیٹھتا ہے۔ تو ایسا محسوس کرتا ہے۔ گویا جانِ جاں کی محبّت بھری میٹھی باتیں سُنتا ہے۔ اور بعض اس کے کام و دہن ایسی لذّتوں سے حلاوت اندوز ہوتے ہیں جن کا بیان دائرۂ امکان سے باہر ہے کبھی کبھی وہ

تاریکیوں میں نور کی جھلک دیکھتا ہے۔ گویا تیرہ و تار مطلع پر کواکب تاباں ظاہر ہو گئے۔ جب روح اس طرح عالم علوی سے علاقہ پیدا کرتی ہے۔ تو اکثر خطرات سے آگاہی ہوتی ہے۔ اور خوشخبریاں پاتی ہے۔ کبھی رویائے صادقہ اور صاف الہام اس کی رہبری کرتے ہیں۔ بعض اوقات نئی دنیا کی اچھوتی حقیقتیں اس پر کھلتی ہیں۔ علم و یقین کے باب وا ہوتے ہیں۔ انسان خدا کے ساتھ اپنا تعلق یوں استوار پاکر آیندہ لغزشوں سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ یہاں تک تو پیغمبر اور اُمّتی کا حال یکساں ہے۔ اگلی وادی کے سفر کے لئے عام قدم رُک جاتے ہیں۔ وہاں صرف پیغمبروں کا گذر ہو سکتا ہے۔ اس سفر کی آخری منزل وہ ہے جہاں حُسنِ حقیقی پر تو فگن ہے۔

## وحی

عرب کا روشن ضمیر آقا غارِ حرا کی تاریکیوں میں نور کی جھلک دیکھنے لگا۔ اس کے خواب سچّے اور الہام صحیح ثابت ہونے لگے۔ پانچ برس تک یہی کیفیّت رہی۔ مگر آپ کی رُوح اور

رفعت چاہتی تھی۔ وہ جوہرِ قابل براہِ راست اکتسابِ علم کی صلاحیت رکھتا تھا۔ اس لئے عمر کے اکتالیسویں سال مطابق سنہ ۶۱۰ء اسے وہ منصب حاصل ہوا جس کا اہل اس کے سوا اور کوئی نہ تھا۔ لیلۃ القدر کی اس سعید ساعت کو خدا کا پیغام بر فرشتہ جبرئیل علیہ السلام دُنیا کے آخری پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلّم کی طرف غارِ حرا میں پہلا پیغام لے کر آیا اور کہا :۔

اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ۚ خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۚ اِقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ ۙ الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۙ عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۙ

پڑھ اس خدا کا نام جس نے کائنات کو پیدا کیا۔ آدمی کو گوشت کے لوتھڑے سے پیدا کیا۔ پڑھ تیرا خدا کریم ہے وہ جس نے انسان کو قلم کے ذریعے سے علم سکھایا۔ وہ جس نے انسان کو وہ باتیں سکھائیں جو اُسے معلوم نہ تھیں۔

ثابت بن قیس نے سچ کہا کہ خدا نے اپنے بندوں میں سے بہترین شخص کو انتخاب کیا۔ جو سب سے زیادہ شریف النسب سب سے زیادہ راست گفتار اور سب سے زیادہ شریف الاخلاق تھا۔ وہ تمام عالم کا انتخاب تھا۔ اس لئے خُدا نے اس پر کتاب

نازل کی۔ روایت ہے کہ جب جبرئیلؑ غارِ حرا میں ظاہر ہوئے تو کہا کہ پڑھ۔ آپ نے فرمایا کہ مَیں پڑھنا تو نہیں جانتا۔ تب حضرت جبرئیلؑ نے آپ کو سینے سے لگا کر خوب زور سے دبایا۔ پھر وہی الفاظ دُہرائے۔ اور وہی جواب پایا۔ پھر اسی طرح دبایا۔ غرض تیسری مرتبہ یہ جواب سُننے کے بعد جبرئیلؑ نے وہ پانچ آیتیں پڑھیں۔ اس واقعہ سے بے حد متاثر ہو کر حضور صلعم گھر پہنچے۔ رفیقۂ حیات حضرت خدیجہؓ سے کہا کہ مجھے کمبل اوڑھا دو۔ چنانچہ آپ کو کمبل اوڑھا دیا گیا۔ جب کچھ دیر بعد سکونِ خاطر ہُوا۔ تو خدیجۃ الکبرےٰؓ کو غارِ حرا کی سرگذشت من و عن کہہ سُنائی۔ اور کہا کہ مجھے تو جان کا خوف ہے۔ بیوی جس کی نظر خاوند کے بلند اخلاق پر بھی پکار اُٹھی۔ کہ یہ واقعہ آپ کو مُبارک ہو۔ خدا آپ کو ہرگز رسوا نہیں کریگا۔ کیونکہ آپ قرابت داروں سے حُسنِ سلوک کرتے ہیں۔ ہمیشہ سچ بولتے ہیں۔ لوگوں کا بوجھ اُٹھاتے ہیں۔ فقیروں مسکینوں کی مدد کرتے، مسافروں کی مہمانی کرتے ہیں۔ اچھے کام کرنے والوں کے آپ مددگار ہیں۔

سیرت کے ایک ایک واقعہ میں دفترِ معنی مضمر ہے۔
پیغمبر آخرالزمان علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے منصب کی سب سے پہلے تصدیق کرنے والا کوئی مرد نہ تھا۔ بلکہ یہ فخر ایک خاتون کی قسمت میں لکھا گیا۔ تاکہ مومنوں کے منہ پر قفل لگ جائیں۔ اور عورت کو مرد سے ہیٹا نہ کہہ سکیں۔ حضرت خدیجہ رض نے آنحضرت ؐ کی سچائی کی ایسی ناقابلِ تردید شہادت پیش کی۔ جس سے ہر مخالف نکتہ چین کی زبان بند ہو گئی۔
اس مومنہ کی فراست کو دیکھو۔ کیا خوب کہا۔ کہ مخلوق کی خدمت کرنے والے کو خالق رُسوا نہیں کریگا۔ خدمتِ خلق اور مخلوق سے محبّت سچّے مذہب کی جان ہے۔ بیشک دوسرے کے کام آنے والوں کو خدا رسوا نہیں کرتا۔

حضرت خدیجہ رض کا چچیرا بھائی ورقہ بن نوفل عربی اور عبرانی زبان کا عالم تھا۔ وہ شرک سے نفور اور دینِ حق کی تلاش میں رہتا تھا۔ بڑھاپے کی کمزوریوں سے اُس کی بینائی جاتی رہی تھی۔ حضرت خدیجہ رض حضور صلعم کو اس نابینا بزرگ کے پاس لے گئیں۔ اور کہا۔ اے چچا کے بیٹے اپنے بھتیجے کا ماجرا سُن۔ حضور صلعم نے غارِ حرا کا واقعہ سُنایا۔ تو ورقہ بن نوفل نے کہا کہ

یہ وہی "ناموس" ہے۔ جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اُترا تھا۔ اے کاش! میں اس وقت تک زندہ رہوں۔ جب کہ تیری قوم تجھے نکال دے گی۔ حضورؐ نے پوچھا۔ کیا میری قوم مجھے نکال دے گی۔ وہ بولا۔ ہاں۔ جس کو لے کر تم آئے ہو۔ اس کو لے کر کوئی آدمی نہیں آیا۔ جس سے لوگوں نے دشمنی نہ کی ہو۔ اگر اس زمانہ تک میں زندہ رہا۔ تو تمہاری ہر طرح مدد کروں گا۔ افسوس! یہ صاحب ایمان جلدی ہی مر گیا۔ آنحضرت صلعم کو خواب میں وہ سفید لباس میں دکھایا گیا۔ جس سے حضورؐ نے تعبیر کی کہ ورقہ بن نوفل جنّتی ہے۔ اگر اس کا مقام دوزخ ہوتا۔ تو جسم پر لباس نہ ہوتا۔ غرض جویائے حق حق کو پہنچ گیا۔

حضور صلعم نے جس خوف کا اظہار فرمایا تھا۔ وہ ان معاملات کی ابتدا اور بشریت کے تقاضے کے باعث تھا۔ کون نہیں جانتا کہ ایک نامعلوم وادی میں پہلا قدم کس قدر جھجک پیدا کرتا ہے۔ اس طبعی ہچکچاہٹ کے ساتھ نئی دُنیا کے مناظر کا ایسی پُرہیبت عظمت کے ساتھ سامنے آنا۔ یعنی غار کی تاریکی میں فرشتے کا زور زور سے کھینچنا سوائے خوف کے کیا کیفیت پیدا کر سکتا ہے۔ بجائے شک کرنے کے خوف اور ہراس کا

یہ مجرد واقعہ ہی آں حضرت کی سچّائی کی دلیل ہے۔ اگر نبوت کا دعوےٰ آپ کا من گھڑت افسانہ ہوتا تو یُوں خائف گھر نہ آتے۔ بیوی کے سامنے تو بزدل بھی بہادر بننے کی کوشش کرتا ہے۔ بنا بریں قلبِ سلیم تسلیم کرتا ہے کہ آپ کے دل میں جھوٹی شہرت چھوڑ اس منصب کی معصوم اُمنگ بھی نہ تھی۔ نبیوں اور نیکوں کے دل مناصب کے آرزو مند نہیں ہوتے۔ وہ تو آگ کی تلاش میں نکلتے ہیں۔ اور اچانک نورِ حق کو پا لیتے ہیں۔ عرب کا یہ یتیم بھی اچانک کونین کا سردار بنا یا گیا۔ ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ۔

وحی کے پہلے تجربہ میں یہ حالت اس لئے طاری ہوئی۔ تاکہ وحی کو کشف، الہام اور رویا سے تمیز کیا جا سکے۔ ایسا نہ ہو کہ مرسل تمثیل اور معنے کے ابہام میں رہے۔ بلکہ اسے معلوم ہو کہ یہ تخیّل نہیں۔ حقیقتِ ثابتہ ہے۔ حضور صلعم کے پڑھنے سے انکار پر فرشتے کا اصرار اور بار بار بھینچنے کی وجہ صرف یہ تھی۔ کہ پیغمبرؑ پر روشن ہو جائے کہ یہ منظر وہم کی پیداوار نہیں بلکہ حقیقتِ حال ہے۔

معترض حضور صلعم کے دعوائے نبوّت کو دولت اور طاقت

کی آرزو پر مبنی سمجھتے رہے - اور اس حقیقت کو ہمیشہ نظر انداز کرتے رہے - کہ طوفان خیز شباب میں جو معرکوں اور ہنگاموں کا زمانہ ہوتا ہے - ایک شخص خاموش اور پُر امن متاہل زندگی بسر کرتا ہے - اس کا سینہ چالیس برس کی عمر کے بعد کیونکر شور انگیز اُمنگوں کی جولاں گاہ بن گیا - حالانکہ عمر کا یہ حصّہ بُڑھاپے کی طرف پہلا قدم سمجھا جاتا ہے - اس عہد میں جوانی کی حرارت پیری کی سرد ہواؤں سے کم ہونا شروع ہو جاتی ہے - اگر تم گرم ملک کے باشندے ہو اور تمہاری عمر چالیس کو پہنچ چکی ہے تو اپنے تجربے پر قیاس کرو کہ عنفوانِ شباب میں تمہارا سینہ کس طرح محشر خیز اُمنگوں کی جولاں گاہ تھا - دولت اور طاقت کی حرص نے کس طرح ایک آگ سی لگا رکھی تھی - اُمیدوں کے سراب نے آنکھوں کے سامنے بہشت کے ہوش ربا جلووں کی دُنیا آراستہ کر رکھی تھی - پھر جب چالیس برس کی عمر ہو چکی - تو وہ سب جنّت نگاہ نظارے یک بیک غائب ہو گئے - اور مایوسیوں کا لق ودق صحرا مُنہ پھاڑے سامنے نظر آنے لگا - اگر تم اس کو نہیں پہنچے - تو اس عہد کی خزاں آفرینوں کا درد بھرا افسانہ کسی سن رسیدہ سے پوچھو - گلستاں کے مصنّف سعدیؒ سے

دریافت کرو۔ جس نے جذبات خیز جوانی کو خیرباد کہتے، اور برف بار بڑھاپے میں قدم رکھتے ہوئے کس حسرت سے "چہل سال عمرِ عزیزت گذشت" کا غیر فانی مصرع کہہ کر اس عہد کی سرد مزاجیوں کی طرف حکیمانہ اشارہ کر دیا ہے۔ اس لئے چالیس برس کے بعد خاموش زندگی بسر کرنے والے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دعوےٰ شیطانی اُمنگوں اور باطل اُمیدوں پر مبنی نہ تھا۔ بلکہ وحیِ ربانی اُنہیں غارِ حرا کی تنہائیوں سے نکال کر میدانِ وغا غزا میں لے آئی تھی۔

فترت

حضرت جبرئیل کے ظہورِ اوّل کے بعد چھ ماہ تک کوئی آیت نہیں اُتری۔ وحی کے اس التوا کا زمانہ زیادہ سے زیادہ چھ ماہ تک رہا۔ اس کو زمانۂ فترت کہتے ہیں۔ زاہدِ خشک نے التوائے وحی کی مصلحت یہ سمجھی کہ پیغمبر کو شدتِ وحی سے دوبارہ تکلیف نہ ہو۔ عاشقِ رمز شناس بولا۔ کہ یہ بھی حُسنِ حقیقی کی ایک ادا تھی۔ تاکہ ہجر میں طالب کی نیازمندیوں اور اس کے شوق و اضطراب کی کنکھیوں سے نظّارہ کرے۔ ایک واقعہ کی دو تاویلوں میں سے اپنی اُفتادِ طبیعت کے مطابق کسی ایک کو قبول کر لو۔

جیسا بیان ہو چکا ہے۔ نبی کسی منصب کے طالب اور شہرت کے خواہاں نہیں ہوتے۔ خدا کی محبّت اور عبادت اُن کی روحانی غذا ہوتی ہے۔ اس میں وہ بھول چوک نہیں کر سکتے۔ زمانۂ فترت میں آنحضرت صلعم برابر غارِ حرا میں جاتے رہے۔ اور شبستانِ دل کو نورِ حق سے منوّر کرتے رہے۔ عاشقِ صادق کو تو ہجر میں وصل سے زیادہ مزا ملتا ہے۔ بعضوں نے لکھا ہے۔ التوائے وحی کے زمانے میں حضورؐ سخت پریشان رہتے تھے۔ ہرچند یہ بات مصدقہ نہیں۔ تاہم پریشانی کو دردِ ہجر اور شوقِ وصل سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔

طالبِ صادق کے امتحان کی یہ اوّل منزل ختم ہوگئی۔ تو ایک دن پھر جب حضورؐ غار سے نکل کر گھر آ رہے تھے۔ اسی فرشتے کا ظہور ہوا۔ آپ پھر کسی قدر مرعوب ہوگئے۔ مکان پر پہنچ کر کپڑا اوڑھا اور لیٹ گئے۔ اتنے میں کان میں یہ پُر جلال آواز آئی۔ کہ:-

| | |
|---|---|
| یٰاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ ۙ قُمْ فَاَنْذِرْ ۙ | اے چادر میں لپٹے ہوئے اُٹھ اور |
| وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۙ وَثِيَابَكَ | ان لوگوں کو عذابِ الٰہی سے ڈرا۔ اور |
| فَطَهِّرْ ۙ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۙ | اپنے رب کی بڑائی اور کبریائی بیان کر۔ |

اپنے کپڑوں کو پاک کر اور نجاست یعنی شرک و بدی سے جُدائی اختیار کر۔

پہلی وحی میں عطائے علم کی بشارت تھی۔ اس سے اشاعتِ دین کا حکم ہوا۔ یہ دین وحی تھا۔ جس کی اشاعت سب نبیوں نے کی۔ اور جسے سب نیک لوگوں کے دل میں ڈال دیا جاتا ہے۔ یعنی یہ کہ انسان، حیوان، شجر، حجر، بھوت، پریت قبر اور بُت پرستش کے لائق نہیں۔ ہاں وہ ذاتِ واحد جو کُل کائنات کی طلسم بند اور تصویر خانۂ موجودات کی مالک ہے۔ وہ جو دل کے بھیدوں سے واقف ہے۔ حُسنِ یوسف اور شادابی گُل جس کے قلم کا ایک معمولی کرشمہ ہے۔ سمندر کی حیرت زا وسعت اور اس کی بلاخیز موجیں، پہاڑوں کی بلندیاں اور اُن کے لامتناہی سلسلے اَن گنت ستارے اور یہ شمسی اور قمری نظام، بادلوں کا ہجوم، بجلی کی تڑپ، بارش کے موتیوں سے پاکیزہ قطرے اور خوشبوؤں سے لبریز ہوائیں، پُرشور آندھیاں، موسموں کا تغیّر، جذبات کے طوفان، حُسن کی بے پروائیاں، عشق کی ارادت کیشیاں اس کے ایک ارادے کی پیداوار ہیں۔ ماں کی مامتا، بچے کا خوشگوار تبسّم اور ایسے ہزاروں تاثّرات کا پروردگار کون ہے۔ پھول میں خوشبو، پھل میں حلاوت کون پیدا کرتا ہے۔ بس وہی خُدا جو عزت اور عظمت

کے قابل اور پرستش کے لائق ہے۔

خُدا کی ہستی کا اقرار تمام نیکیوں کا سرچشمہ ہے۔ جب اِس یقین میں شک پیدا ہو جائے تو انسان جوشِ عمل سے عاری ہو کر پریشان حال ہو جاتا ہے۔ حسنِ عمل کی ہزار سعی کے باوجود انصاف کے حدود کو قائم نہیں رکھ سکتا۔ اور شیطان کے ہاتھ میں ظلم اور عدوان کی بے پناہ تلوار بن جاتا ہے۔ کیونکہ جب کسی محاسبِ اعلےٰ کی ہستی کا یقین ہی نہیں تو سعی و عمل کا جائزہ لینے کی کیا ضرورت ہے۔ جب کوئی کوتوال ہی موجود نہیں۔ تو چور کو چوری سے کیا خوف ہو سکتا ہے۔ اس قانون کے مستثنیات کو دیکھ کر گھبرانہ اُٹھو۔ منکرین کے گروہ میں جو حُسنِ عمل کا رنگ نظر آتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مُنکرِ خُدا بظاہر عاقبت کے خطروں سے شجاعانہ بے پروائی کا اظہار کرتا ہے۔ مگر دل کے گوشے میں یہ اندیشہ رکھتا ہے۔ مبادا اس وسیع کائنات کا کوئی پروردگار ہو۔ جو مجھے مرنے کے بعد زندہ کرے۔ اور اعمال کا جائزہ لے۔ ادھر ایمان کے بعض مُدعی گناہوں کے گڑھے میں آپ کو پڑے ملیں گے۔ اس کی وجہ یہ ہے۔ ان کا یہ اقرار بھی لفظی اور رسمی ہوتا ہے۔ وہ سجدوں میں بھی شک کرتے ہیں کہ مبادا خدا

کا وجود بھی ہما اور عنقا کی طرح محض افسانہ ہو۔ اور یہ نماز روزے تضیع اوقات ہی ثابت ہوں، ورنہ شبہ نہیں کہ بھلائی کی قوّت محرّکہ خدا کا اقرار کرے۔ اور برائی کا منبع محاسبِ قوّت، کا انکار، اسی لئے قرآن حکیم مناظرِ قدرت کی طرف بار بار توجّہ دلاتا ہے۔ عناصرِ اربعہ کی گوناگون اور بُوقلموں صورتوں، حواسِ خمسہ کی لطف اندوزیوں اور لذّت زائیوں، قدرت کی صنعت بھری رنگ آمیزیوں اور گلکاریوں کو انسان کے پیشِ نظر کرکے پوچھتا ہے۔ کہ یہ جو سب کچھ موجود ہے کیا یونہی پیدا ہوگیا؟ مخاطب گو لطفِ نگاہ سے محروم نہیں۔ پھر بھی اس کی دکھنی کور ذوقی اس چمکتی حقیقت یعنی خالقِ کائنات پر ایمان لانے کی راہ میں شکوک شبہ کی دیواریں کھینچ دیتی ہے۔ اس کم بینی اور کوتہ اندیشی کے مرض کا علاج آنکھوں کا بند کرنا نہیں۔ بلکہ حقائق کو علم و عقل کی روشنی میں بار بار دیکھنا ہے۔ مظاہر عالم اور مناظرِ قدرت پر بار بار تحقیق کی نظر ڈالنے سے بالآخر انسان شک کی دیوار سے پار ہو جاتا ہے۔ اور اس وادیٔ حیرت میں جا پہنچتا ہے۔ جہاں فطرت بشری خالقِ بحر و بر کے سامنے عجز و بے چارگی سے گردن جھکائے کھڑی نظر آتی ہے۔

نیک لوگ جب اپنے ہم جنسوں کو کفر اور شرک کی گمراہی میں دیکھتے ہیں۔ تو گھبرا اٹھتے ہیں۔ اور انسانوں کو بے یقینی کی ضلالتوں سے نکلنے کے لئے پکارتے ہیں۔ نبی اور پیغمبر تو دنیا کی راہنمائی اور رہبری کے لئے خاص طور پر منتخب کئے جاتے ہیں۔ حضور صلعم نے جب تبلیغ دین کا حکم پایا۔ تو سب سے پہلے اس کارِ خیر کو شروع کیا۔

سب سے پہلے حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ نے دعوتِ اسلام قبول کی۔ پھر حضرت علیؓ اور حضور صلعم کے غلام زیدؓ نے دین کی دولت پائی۔ اس کے بعد حضرت ابو بکرؓ کو یہ عزت نصیب ہوئی۔ حضورؐ کے اخلاق، جن جن کے سامنے سب سے زیادہ آئینہ تھے۔ اور حضورؐ کی زندگی کا کوئی گوشہ جن سے محجوب اور پوشیدہ نہ تھا۔ وہی پہلے آپ کی صداقت کے قائل ہوئے۔ بیوی، بھائی، غلام، دوست جب ایمان لا چکے۔ تو رفتہ رفتہ حضرت ابو بکرؓ کی سعی اور کوشش سے حضرت عثمانؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت عبد الرحمنؓ بن عوف، حضرت سعدؓ بن وقاص (فاتح ایران) اور حضرت طلحہؓ ایمان لائے۔ ان کے علاوہ حضرت عمارؓ، خبابؓ بن الارث، ارقمؓ، سعدؓ بن زید،

عثمانؓ بن مظعونؓ، عبیدہؓ، صہیبؓ رومی جلد ایمان لانے والوں میں سے تھے۔

حضور صلعم امن پسند اور صلح جُو تھے۔ وہ تو دشمن کے دل میں بھی غبار پیدا کرنا پسند نہ کرتے تھے۔ چنانچہ احتمال شر کے پیش نظر توحید اور رسالت کی تبلیغ چُپکے چُپکے ہی فرماتے رہے۔ حتیٰ کہ خدا کی عبادت بھی کسی گھاٹی میں جا کر تے تھے۔ ایک دفعہ آپ حضرت علیؓ کے ساتھ کسی درہ میں نماز پڑھ رہے تھے۔ کہ اچانک ابوطالب وہاں آنکلے اور تعجب سے دیکھتے رہے۔ نماز کے بعد پُوچھا کہ یہ کونسا دین ہے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ دینِ ابراہیمؑ جس کی دعوت تین برس تک یونہی خاموشی کے ساتھ ہوتی رہی۔ اس عرصے میں حضورؐ کے حلقے میں مومنین مخلصین کی ایک مختصر سی جماعت آگئی جو بشمولِ مستورات چالیس جانوں سے زیادہ نہ تھی۔ اب چوتھے سال یہ حکم آیا:۔

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ (الحجر) اور تجھ کو جو حکم دیا گیا ہے واشگاف کہہ دے

مجازی محبّت کا ڈانڈا عشقِ حقیقی کی سرحد کے قریب سے ہو کر نکلا ہے۔ دونوں منازل کے مسافروں کے تصوّرات و احساسات بہت ملتے جُلتے ہیں۔ فرق صرف گہرائی اور صفائی

کا ہے۔ اگر سیرت کے اس حصّے کو محبّت کی عام فہم زبان میں ادا کیا جائے تو کہا جا سکتا ہے کہ حُسن ہمیشہ بے حجابیوں پر مائل اور پردہ داریوں کا مخالف رہا ہے۔ جونہی حُسن کی سرکار سے رازِ محبّت کو واشگاف بیان کرنے کا جانفزا حکم پایا۔ آپ کوہِ صفا کی چوٹی پر چڑھ کر پکارے۔ کہ اے اہلِ قریش دوڑو۔ لوگ حسبِ دستور اس آواز کو یقینی خطرہ کا نشان سمجھ کر بھاگے چلے آئے۔ جب سب جمع ہو چکے تو آنحضرتؐ نے دُنیا و آخرت کا حقیقی خطرہ بطور استعارہ یوں بیان فرمایا۔ کہ اگر مَیں تم سے کہوں کہ اس پہاڑ کے عقب میں ایک لشکرِ جرّار تمہاری گھات میں ہے۔ تو کیا تم میری بات کا یقین کر لو گے؟ سب نے کہا، ہاں۔ کیونکہ ہم نے ہمیشہ آپ کو سچ بولتے سُنا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ تو مَیں یہ کہتا ہوں کہ اگر ایمان نہ لاؤ گے۔ تو تم پر سخت عذاب نازل ہو گا۔ لوگ اسے ایک بے حقیقت بات سمجھ کر مذاق اُڑاتے گالیاں دیتے چلے گئے۔ مگر دُنیا نے دیکھ لیا کہ اس متانت مآب نبیؐ نے کبھی کوئی بے بنیاد بات نہیں کہی۔ اسلام کی ابتدا میں جو بات آپ کی زبان سے مجاز و استعارہ کے طور پر نکلی۔ وہ حقیقت کے لباس میں سولہ برس کے بعد جب حضورؐ

نے فتح مکّہ کے وقت دس ہزار قدوسیوں کا لشکرِ جرار لے کہ مقامِ صفا پر نزولِ اجلال فرمایا۔ تو جن لوگوں نے کوہِ صفا پر اسلام کا یہ اوّلین پیغام سُنا تھا، حضور صلعم کی عظمت کے قائل ہو گئے۔ اس طرح مومنین نے فلاح پائی۔ منکر عذاب ہلاکت میں مبتلا ہوئے اس واقعہ کا چرچا گھر گھر ہو گیا۔ اور تمام عرب میں نبیؐ کے کذب و صداقت کی بحث کا دروازہ کھُلگیا۔ چرچا کرنا اور بحث کے باب کو وا کر دینا ہی ہر دور میں پراپیگنڈا کی جان رہا ہے۔ کسی اصول کی نشر و اشاعت کا موثر طریقہ یہی ہے۔

عشق کی ابتدا شیریں اور خوشگوار ہوتی ہے پھر دشواریوں کا مرحلہ آتا ہے۔ پروردگارِ حُسن کے نورِ عشق سے دل کو روشن کرنے والے کی زندگی اجیرن ہو جاتی ہے۔ سرکار کا حکم ماننا ہو، تو ہزار جان سے اس پر فدا ہو جائیں۔ مگر اس کی بے نیازیاں یہ ہیں۔ کہ پیغمبری کی سند خود عطا کرتا ہے۔ اور اس کی تصدیق دوسروں سے کروانے کا حکم دیتا ہے۔ اس مضمون کو طول دینا سوءِ ادب ہے۔ مختصر یہ کہ نبیوں کی ذمہ داریاں نہایت نازک ہوتی ہیں۔ قدم قدم پر مشکلات کے پہاڑ اور رکاوٹوں

کی دیواریں آتی ہیں۔ عرش پر اُن کی عظمتوں کا غلغلہ بلند ہوتا ہے مگر فرشِ خاک پر اُنہیں مصیبتوں اور بلاؤں سے دو چار ہونا پڑتا ہے۔ ہر چند نیک لوگ سعیِ کار میں دن بھر جان کھپاتے ہیں۔ جب رات کو خود اپنے اعمال کا جائزہ لینے بیٹھتے ہیں۔ تو ہر چھوٹی سے چھوٹی بھول چوک پر مضطرب ہو جاتے ہیں۔ سجدوں میں پڑ کر سخت اضطراب و بیقراری کے ساتھ استغفار پڑھتے ہیں۔ اور معمولی غلطی کے تصوّر سے اُن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ مبادا وہ بے پروا ایمان کی دولت سے محروم کر کے اطمینان کی جنّت چھین لے۔ اگلے دن پھر دُگنی کوشش کرتے ہیں اور انہیں چوگنی مخالفت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ جانِ زار رحمتِ پروردگار کو ڈھونڈتی ہے۔ مگر امتحانِ شوق کی یہ کٹھن منزل ختم ہونے میں نہیں آتی۔

دیکھو محمد صلعم جدھر جاتے ہیں انگلیاں اُٹھتی ہیں۔ حقارت کی نظریں پڑتی ہیں۔ ایک دیکھ کر ناک بھوں چڑھاتا ہے۔ دوسرا منہ بسورتا ہے۔ ذاتِ اقدس سے استہزاء عام ہو گیا۔ مکّہ کی گلیوں کے چھوکرے اور بازاری لفنگے جونہی آپ کو دیکھتے خاک اُڑانے اور شور مچانے لگتے تھے۔ لیکن آپ ان سب باتوں کو برداشت

کرتے اور خاموشی سے اپنے کام میں مصروف رہتے۔

اب پھر ذاتِ باری کی طرف سے حکم ہوتا ہے:۔

وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَكَ الْاَقْرَبِیْنَ اور اپنے نزدیک والوں کو خدا سے ڈرا۔

یہ حکم پاتے ہی حضورؐ نے عزیزوں کی دعوت کا سامان کیا۔ حضرت علیؓ جن کی عمر ابھی تیرہ برس کی تھی میرِ مطبخ نبویؐ تھے عبدالمطلب کا سارا خاندان مدعو تھا۔ فراغتِ طعام کے بعد آپ نے یوں فرمایا۔ کہ "مَیں وہ چیز لے کر آیا ہوں جو دین و دُنیا دونوں کی کفیل ہے۔ اِس بارِ گراں کو اُٹھانے میں کون میرا ساتھ دے گا؟" دعوتِ حق سُن کر سب کو سانپ سونگھ گیا۔ ہاں آغوشِ محمدی کے تربیت یافتہ علیؓ نے اُٹھ کر کہا۔ ہرچند مجھے آشوبِ چشم ہے۔ اور گو میری ٹانگیں پتلی اور عمر کم ہے، تاہم مَیں آپ کا ساتھ دُوں گا۔ لوگ اس کا چھوٹا مُنہ اور بڑی بات سمجھ کر بے ساختہ ہنسنے لگے۔ تاریخ کتمِ عدم سے پکاری کہ کیوں ہنستے ہو۔ علیؓ جو کہتا ہے سچ کر دکھائیگا۔ پھر واقعات کی رفتار نے ثابت کر دیا کہ اِس بچّے کا کہا پُورا ہوا۔

اب دعوتِ دین کے عام ہوتے ہی مخالفت بھی عام ہو گئی۔ بنو امیّہ اور بنو ہاشم میں خاندانی چشمک تھی۔ پیغمبری کے دعوے نے رقابت کی آگ پر تیل کا کام کیا۔ اموی ڈرے کہ کہیں ہاشمیوں کا

یہ چراغ ہمارا دیا گُل نہ کر دے۔ اِدھر توحید کی تبلیغ اور بتوں کی مذمت نے بھڑکتی آگ کو اور بھڑکایا۔ قریش کی بڑائی اور بتوں کی برائی کی تاب نہ لا سکے۔ کیونکہ ساری عظمت بتوں کی مرجع خلائق ہونے پر موقوف تھی۔ اسلام کی ترقی کو آبائی دین اور خاندانی وقار کے لئے پیغامِ موت سمجھ کر مرنے مارنے پر آمادہ ہو گئے۔ جس چیز نے قریش کے صبر کا پیمانہ لبریز کر دیا وہ اسلام کا مسئلہ اخوت تھا۔

سابقون الاوّلون میں اکثر لوگ غریب اور غلام تھے۔ خاندانی فخر اور امارت کے نشے سے سرشار قریش ان کی برادری اور برابری کے دعوے کو قبول نہ کر سکتے تھے۔ لیکن ہو تو کیا ہو۔ اسلام نے اُن غریبوں اور غلاموں کے سروں کو خاک سے اُٹھا کر فلک الافلاک پر پہنچا دیا تھا۔ اس لئے سخت کشمکش شروع ہو گئی۔ نزلہ برعضوِ ضعیف می ریزد کے مصداق یہ غریب اور غلام ہی زیادہ قریش کے غصّے کے شکار ہوتے۔ حضورؐ جو مرجع مومنین تھے۔ آپ پر بھی عرصہ حیات تنگ کر دیا گیا۔ اپنے تصوّر میں اسلام کے اس ابتدائی زمانے کو لاؤ اور دیکھو کہ کس طرح اور کیا کیا اذیّتیں مسلمانوں نے اُٹھائیں۔

حضرت عمّارؓ یمن کے باشندے تھے۔ ان کے والد کا نام

یاسر اور والدہ کا نام سمیہ تھا۔ ایمان لانے والوں میں ان کا چوتھا نمبر تھا۔ اس کے ساتھ قریش کا سلوک یہ تھا کہ انہیں گرم ریت پر لٹا دیتے اور مارتے مارتے بیہوش کر دیتے تھے۔ ان کی والدہ کو جو ابوحذیفہ مخزومی کی کنیز تھیں۔ اسلام لانے کے جرم میں ابوجہل نے برچھی مار کر ہلاک کر دیا۔ اسی طرح ان کے والد بھی دشمنوں کے ہاتھوں مصیبتیں اٹھاتے شہید ہوئے۔

سُنو۔ یہ احد احد کی آواز کہاں سے آرہی ہے۔ یہ درد و کرب سے کون کراہ رہا ہے۔ دیکھو یہ امیّہ بن خلف کا حبشی غلام بلال رضؓ ہے۔ خدا کی توحید کے اقرار کے جرم میں تپتی ریت پر لٹا کر سینہ پر سنگِ گراں رکھا ہوا ہے۔ تاکہ جنبش نہ کرنے پائے۔ شقی مالک کا اصرار ہے کہ اسلام سے انکار کرو، ورنہ جان سے جاؤ۔ مگر توحید کا نشہ ان ترشیوں سے اترنے والا نہ تھا۔ حضرت بلالؓ گرم ریت سے جلتے تھے۔ مگر اَللّٰہُ اَحَدٌ پکارتے تھے۔ جب امیہ کی مراد یوں بھی بر نہ آئی تو آپ کے گلے میں رسّی ڈال کر لونڈوں کے حوالے کر دیا۔ لیکن لوگ کیا جانیں کہ تشدّد سے اُس محبوبِ حقیقی کی آتشِ عشق اور تیز ہوتی ہے۔

حضرت زنیرہ رضؓ حضرت عمرؓ کے گھرانے کی کنیز تھیں۔ ابوجہل

نے قبولِ اسلام کے جرم میں اُنہیں اس قدر مارا کہ آپ کی آنکھیں جاتی رہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی اسلام لانے سے پہلے انہیں بے حد ستایا کرتے تھے۔

اُبو فکیہہ رضؓ جب اسلام لائے۔ تو اُن کا مالک صفوان بن اُمیہ بھی انہیں تپتی ریت پر لٹا کر اُوپر بوجھ والا پتھر رکھ دیتا تھا۔ یہاں تک کہ آپ کی زبان باہر نکل آتی تھی۔ ایک دن ایک گبریلا جا رہا تھا، اُمیہ نے حضرت ابو فکیہہ رضؓ سے طنزاً کہا۔ کہ تیرا خدا یہی تو نہیں ؟ اُنہوں نے فرمایا کہ میرا اور تیرا دونوں کا خدا صرف اللہ تعالےٰ ہے ہے۔ اس پر اُمیہ نے اُن کا اس زور سے گلا گھونٹا کہ لوگوں کو اُن کی موت کا شُبہ ہو گیا۔

حضرت لبیبہ رضؓ ایک کنیز تھیں۔ حضرت عمر رضؓ اسلام لانے سے قبل اُن کو مارتے مارتے تھک جاتے تھے۔ اور کہتے تھے کہ مَیں تجھ کو رحم کی بنا پر نہیں بلکہ اس بنا پر چھوڑتا ہوں، کہ تھک گیا ہوں۔

حضرت نہدیہ اور ام عبیس دونوں کنیزیں تھیں۔ حضرت صہیب رضؓ غلام تھے۔ جو اسلام لانے کے جرم میں ہمیشہ دُشمنانِ دین کے معتوب رہے۔ اور طرح طرح کی تکلیفیں اُٹھائیں۔

حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے پر اُن کا چچا اُن کو چٹائی میں لپیٹ کر ناک میں دھواں دیتا تھا۔ حضرت ابوذر رضؓ نے جب اسلام کا اعلان کیا۔ تو قریش نے اُن کو مارتے مارتے ہلکان کر دیا۔ غرض یہ کہ غریب مسلمانوں نے ظلم و تعدّی کا بہادرانہ مقابلہ کیا۔ مگر اسلام سے مُنہ نہ موڑا۔

یہ تو عاشقانِ نبیؐ کا حال تھا۔ اب پیغمبرِ خدا کی کیفیّت دیکھو۔ پہلے دن جب دینِ مبین کا حامل خدائے بحر و بر کی توحید بیان کرنے کے لئے اُس کے اپنے گھر یعنی حرم کعبہ میں گیا۔ تو بتوں کے پُجاری خدائے واحد کے پرستار پر ٹوٹ پڑے۔ اور اک ہنگامہ بپا ہو گیا۔ حارث بن ابی ہالہ رضؓ شور سُن کر دوڑے آئے۔ لوگ حضور صلعم سے گستاخیاں کر رہے تھے۔ اُس نے قیامت خیز منظر کو دیکھ کر بیچ بچاؤ کرنا چاہا۔ مگر بچارے پر ہر طرف سے تلواریں مینہ کی طرح برسیں اور وہ شہید ہو گئے۔ اسلام کی راہ میں معصوم حارث رضؓ کے خون کے پہلے قطرے ہیں۔ جن سے زمین رنگین ہوئی حضرت حارث رضی اللہ عنہ کے پُر فخر انجام پر کس مسلمان کو رشک نہیں لیکن ع

یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا

ایک مرتبہ حضورؐ نماز کی نیّت باندھے حرمِ کعبہ میں کھڑے تھے عقبہ بن ابی معیط نے آپ کی گردن میں چادر ڈال کر اسے اس قدر مروڑا کہ آپ کا دم رُکنے لگا۔ پھر اس زور سے کھینچا کہ آپ فرش پر گر گئے۔ اتّفاق سے حضرت ابو بکرؓ آنکلے۔ اُنھوں نے آپ کو اس کے شر سے بچایا۔ اور مفسدوں کو مخاطب کر کے کہا۔ اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ یَّقُوْلَ رَبِّیَ اللّٰہُ (کیا تم ایک شخص کو اس لئے قتل کرتے ہو کہ وہ کہتا ہے میرا رب اللہ ہے) یہ سُن کر کفّار نے آنحضرتؐ کو چھوڑ دیا اور صدیق اکبرؓ پر پل پڑے۔ اور انہیں سخت زدوکوب کیا۔

ایک دن محبوبِ کبریا محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلّم سجدے کی حالت میں تھے کہ عقبہ بن ابی معیط نے ابو جہل کے اشارے سے اُونٹ کی اوجھڑی لا کر حضورؐ پر ڈال دی۔ اس عبرت انگیز منظر کو دیکھ کر مردم شناس قریش ہنسنے لگے۔ کسی نے جا کر حضرت فاطمہؓ کو اس حال کی خبر کر دی۔ پیارے باپ کی یہ حالت سُن کر بنتِ پیغمبر بھاگی آئیں۔ کمر کے اُوپر سے اوجھڑی اُٹھائی غُصّہ سے عقبہ کو بُرا بھلا کہا۔ اور بہت بد دُعائیں دیں۔

لوگ آپ کے راستہ میں کانٹے بچھا دیا کرتے تھے۔ آمادہ

شرارت ہمسائے حضورؐ کے گھر میں پتھر اور گند گی پھینک دیتے تھے۔ تاہم اس متانت پناہی کے شکوے کا ڈھنگ نرالا تھا۔ سخت تنگ آکر بھی یہی فرماتے کہ اے بنو عبد مناف! ہمسائگی کا اچھا حق ادا کر رہے ہو۔ ابولہب کو جو آپ کا چچا تھا، آپ سے بڑی کد تھی۔ آپ جہاں جاتے یہ سایہ کی طرح ساتھ جاتا جہاں حضور تبلیغ فرماتے یہ بلند آواز سے کہتا جاتا۔ کہ صاحبو! یہ جھوٹ کہتا ہے۔ ابوجہل بھی ہر وقت موقع کی تلاش میں رہتا۔ اور جب لوگوں میں آپ کو دعوتِ دین دیتے دیکھتا تو خاک اُٹھا اُٹھا کر پھینکتا اور کہتا جاتا۔ کہ لوگو اس کے فریب میں نہ آنا۔ جب آپ نماز کے بعد قرآن مجید پڑھتے تو اسلام کے دشمن قرآن کو لانے والے اور قرآن کو اتارنے والے دونوں کو گالیاں دیتے۔

عبرت زاہدِ شب زندہ دار کی عافیت کوشیوں پر ماتم کر کے کہتی ہے۔ راحت زا تنہائیوں کے شیدا انسان! اپنے پیغمبر کی مصیبت کوشیوں کو دیکھ۔ گوشہ نشینی تو خدا کی محبت کی ابتدائی منزل ہے۔ اس منزل سے نکل کر میدانِ تبلیغ میں پہنچ۔ جب تک سر کو ہتھیلی پر رکھ کر اشاعتِ حق میں ہر کوچہ کی خاک

چھاننے کا شیوہ اختیار نہ کریگا۔ محبوب کی نظروں میں نہ نیچے گا۔

# ہجرت حبشہ



اب جب کہ مشرکوں کے جبر و تشدّد کو مسلمانوں کے صبر کا امتحان لیتے پُورے پانچ برس گذر گئے۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے مومنین کی ایک مختصر سی جماعت کو حبشہ کی طرف ہجرت کر جانے کی ہدایت فرمائی۔ اس حکم کا باعث یہ نہیں تھا کہ مسلمانوں کا پائے ثبات متزلزل ہوگیا تھا۔ کیونکہ ابتدا کے یہ پانچ برس جن کا ہر روز مومنین کے لئے قیامت تھا۔ لوگوں نے نہایت صبر و شکر سے گذارے تھے۔ بلکہ یہ حکم اس لئے دیا گیا تاکہ خدا کے نیک بندوں کی ایک جماعت ہر امکانی خطرہ سے محفوظ ہو جائے۔ جنگجو اور نا تربیت یافتہ قریش کی مخالفت کے کے باوجود مکّہ میں رہنا شیر کی کچھار میں بسر اوقات کرنے کے برابر تھا۔ کیا جانے کبھی ایسا وقت آجائے۔ کہ آتش مزاج قریش یک بیک بھڑک اُٹھیں۔ اور سب مسلمانوں کو ایک ہی دفعہ تہ تیغ کر دیں۔ اور دُنیا میں ایک کلمہ گو باقی نہ رہے۔ چمنستان توحید

کے مالی کو صرف یہ فکر دامنگیر تھی کہ ہو نہ ہو توحید کا پودا مکّے میں نہیں تو کسی اور ہی جگہ جا سرسبز ہو۔ تاکہ کسی نہ کسی طرح خدا کا نام دُنیا میں بلند رہے۔ چنانچہ مہاجرین کی یہ پاک جماعت جو امیر، غریب، عورت مرد سولہ اشخاص پر مشتمل تھی۔ مکّہ سے ہجرت کر کے حبشہ کو چلی گئی۔ مہاجرین کے نام حسب ذیل ہیں:۔

۱-۲- حضرت عثمانؓ مع اپنی زوجہ محترمہ رقیہؓ کے۔
۳-۴- ابُوحذیفہؓ عتبہ مع اپنی زوجہ سہیلہ کے۔
۵- زبیرؓ بن العوام۔
۶- مصعبؓ بن عمیر۔
۷- عبدالرحمٰنؓ بن عوف۔
۸-۹- ابوسلمہؓ مخزومی مع اپنی زوجہ ام سلمہ کے۔
۱۰- عثمانؓ بن مظعون جمحی۔
۱۱-۱۲- عامرؓ بن ربیعہ مع اپنی زوجہ لیلیٰ کے۔
۱۳- ابُو برہؓ بن ابی رہم۔
۱۴- حاطب بن عمرو۔
۱۵- سہیلؓ بن بیضا۔
۱۶- عبداللہؓ بن مسعود۔

معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو اذیت دینا مکّہ کے بیکار اُمرآ کا مشغلہ ہو گیا تھا۔ ہجرت کی خبر پاکر قریش نے مہاجرین کا تعاقب کیا۔ حُسنِ اتفاق کہ قریش اُس وقت ساحلِ سمندر پر پہنچے۔ جب مہاجرین کا جہاز بندرگاہ سے روانہ ہو چکا تھا۔ نجاشی والیٔ حبشہ مہاجرین کے ساتھ بڑی مروّت سے پیش آیا۔ اس کی انصاف پسندی کی شہرت مہاجرین کو بھی کھینچ لے گئی۔ اسلام کے دُشمن قریش نے جب دیکھا۔ کہ توحید کا پودا تو حبشہ میں بڑھنے لگا۔ جلدی جلدی عبداللہ بن ربیعہ اور عمرو بن العاص فاتح مصر کی سرکردگی میں ایک سفارت مرتب کی، پادریوں اور درباریوں کے لئے تحفے مہیّا کئے گئے۔ ترغیب و تحریص کے سارے اسباب فراہم کر کے یہ وفد مکّہ سے اس لئے روانہ ہوا کہ فرمانروائے حبشہ سے مل کر نہالِ اسلام کو حبشہ میں برومند ہونے سے روکے۔ قریش کے ان سفیروں نے پادریوں کے تعصّب کو بھڑکایا اور درباریوں کے دہانِ حرص میں تحفوں کا طعمہ ڈال کا ان کو مطمئن کیا۔ اسی طرح والیٔ حبشہ کے ہم نشینوں کو ہمنوا کر کے دربار میں پہنچے، اور کہا کہ ہمارے شہر کے چند نادانوں نے ایک نیا مذہب اختراع کیا، تو ہم نے اُن کو دیس نکالا دے دیا۔ وہ آپ کی پناہ میں آ گئے۔

یہ ہمارے مذہب یعنی بُتوں سے بیزار اور آپ کے دین یعنی نصرانیت کے مخالف ہیں۔ اِن میں ہمارے غلام بھی ہیں۔ اس لئے ان کو ہمارے حوالہ فرمایئے۔ درباریوں نے نجاشی کو لگا بجھا کر ہموار کرنا چاہا۔ مگر اس منصف مزاج حاکم نے یک طرفہ فیصلہ نہ کیا۔ بلکہ مجرموں کو بھی طلب کیا۔ حضرت علیؓ کے چھوٹے بھائی حضرت جعفرؓ جو قادر الکلام اور فصیح البیان نوجوان تھے مسلمانوں کی طرف سے جواب دہی کے لئے اُٹھے اور بولے :

"اے ملک! ہم جاہل اور بُت پرست تھے۔ حرام خوار اور بدکار تھے۔ ہم ہمسائے کو ستایا کرتے تھے۔ ہم میں سے قوی کمزور کا حق دبا جاتا تھا۔ غرض بھائی بھائی کا دشمن تھا۔ تا آنکہ ہم میں ایک رسُول پیدا ہوا جس کی شرافت، صدق اور دیانت کے ہم شروع سے شاہد ہیں۔ اُس نے ہم کو توحید کا سبق دیا۔ بُت پرستی سے روکا۔ ہمیں سچ بولنا سکھایا۔ اور خونِ ناحق سے ڈرایا۔ یتیم کا مال کھانے کی ممانعت کی۔ ہمسایہ سے حُسنِ سلوک کی تلقین فرمائی۔ اور اُس نے کہا کہ عورتوں کی عصمت پر بدنامی کا داغ نہ لگاؤ۔ روزے رکھو۔ زکوٰۃ دو۔ خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔

"اے ملک! ہم اس پہ ایمان لائے، شرک اور کفر کو چھوڑا۔ اور عملِ بد سے باز رہے۔ یہ ہے ہمارا جرم۔ یہ لوگ ہم کو مجبور کرتے ہیں کہ ہم شرک کی گمراہی میں پھر لوٹ آئیں۔"

نجاشی یہ سُن کر مبہوت ہو گیا۔ پھر بولا کہ خدا کا کلام جو تمہارے رسُول پر اُترا ہے سُناؤ۔ جعفرِ طیارؓ نے سورۂ مریم تلاوت کی۔ کلامِ معجز بیان کو سُن کر نجاشی کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ اور خدا کی قسم کھا کر کہا۔ کہ قرآن اور انجیل تو دونوں ایک ہی چراغ کے پرتو ہیں۔ سُفرائے قریش کو مخاطب کر کے کہا۔ کہ تم سدھارو مَیں مظلوموں کو کسی کے حوالے نہیں کر سکتا۔

اس ناکامی کا منہ دیکھ کر بھی عمرو بن العاص کی کمرِ ہمّت نہیں ٹوٹی۔ پھر پیٹ پکڑے دربار میں پہنچا۔ کہ صاحب یہ حضرت عیسٰےؑ علیہ السّلام سے عقیدت نہیں رکھتے۔ نجاشی نے پھر مسلمانوں کو بُلا بھیجا۔ مہاجرین حضرت عیسٰیؑ کے ابن اللہ ہونے کے کہاں قائل تھے۔ سب کو تردّد ہوا۔ مبادا اظہارِ حق سے پانسہ پلٹ جاتے۔ اس لئے ڈرتے ڈرتے پھر حاضر ہوئے نجاشی نے سوال کیا۔ کہ حضرت عیسٰےؑ کے متعلق تمہارا کیا عقیدہ ہے؟ حضرت جعفرؓ نے نتائج و عواقب سے بے پروا

ہو کر برملا کہا۔ کہ وہ خدا کا بندہ اور رسول ہے۔

نجاشی نے زمین سے ایک تنکا اُٹھا کر کہا۔ واللہ جو تم نے کہا۔ عیسیٰؑ اس تنکے کے برابر بھی اس سے زیادہ نہیں۔

قریش کی سفارت ناکامی کا منہ دیکھ کر ٹھنڈے ٹھنڈے گھر پہنچی۔ اہلِ مکّہ نے اپنی نامُرادی کا حال سُنا تو آگ بگولا ہو گئے۔ سوچا کہ کیا کریں۔ بالآخر جوش پر عقل نے فتح پائی۔ اور ابُوطالب کے پاس وفد لے جانے کی تجویز کی گئی۔ ابوطالب دُنیا کے معاملات میں بہت ہوشیار تھے۔ اُنہوں نے باتوں کے ایسے طوطے مینا بنائے کہ اراکین وفد بجائے ابوطالب کو قائل کرنے کے اُلٹے احمق بن کر واپس آئے۔

قیاس کہتا ہے کہ قریش ابوطالب کا اپنے ساتھ یہ سلوک دیکھ کر سخت سٹ پٹائے ہونگے۔ پھر ایک اور وفد تیار کیا۔ ابُوجہل، عتبہ بن ربیعہ، شیبہ، ابوسفیان، عاص بن ہشام، ولید بن مغیرہ، عاص بن وائل جمع ہو کر پھر ابوطالب کے پاس پہنچے۔ دلیل کے بجائے دھمکی کو مناسب حربہ سمجھ کر صاف کہہ دیا، کہ ابوطالب! یا تو تم بیچ سے ہٹ جاؤ۔ یا کھلم کھلا میدان میں آجاؤ۔ ابوطالب نے دُنیا دیکھی تھی۔ صورتِ حال کی نزاکت کو محسوس

کر کے آنحضرتؐ کو بُلا کر کہا۔ جانِ عم! مجھ پر اتنا بار نہ ڈالو کہ برداشت نہ کر سکوں۔ لفظوں کا یہ اختصار معنیٰ کا دریا تھا۔

آنحضرتؐ کی کیفیّت قلب کو عقل سے جانچو۔ کہ حضورؐ امتحان کے کتنے طوفانوں میں گھرے کھڑے تھے۔ آپ نے پیارے چچا کی بات سُنی، سینہ سے غم کا بادل اُٹھا۔ آنکھوں سے آنسو بن کر برسا۔ آپ نے چچا سے صاف کہہ دیا۔ کہ خُدا کی قسم! اگر یہ لوگ میرے ایک ہاتھ میں سُورج اور دوسرے میں چاند دے دیں۔ تو بھی میں ادائے فرض سے باز نہ آوٗں گا۔ یا خدا اس کام کو پُورا کرے گا۔ یا مَیں اُس کی راہ میں کام آوٗں گا۔

جب خالق کا عائد کردہ فرض مخلوق کی محبّت سے ٹکراتا ہو۔ تو فرض شناسی محبّتِ مخلوق سے بہتر ہوتی ہے۔ اِس فرض شناسی پر خدا کی کرم فرمائی دیکھو کہ حضورؐ کو ایمان کے امتحان میں پُورا پا کر ابُوطالب نے کہا۔ بھتیجے! جا۔ جو چاہے کر۔ تیرا کوئی بال بیکا نہیں کر سکتا۔

جب قریش کو ابُوطالب کے عزم کا علم ہوا تو بہت تلملائے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلّم پر حملہ کرتے ہیں تو لا محالہ ہی

جنگ چھڑ جانے کا اندیشہ ہے۔ اس چھوٹے فتنے کا سدِّ باب کرتے کرتے بڑی قیامت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس لئے دھمکی کے بجائے اب نرمی اختیار کرنے کی سوجھی۔ چنانچہ ایک اور موقع پر ایک خوبصورت نوجوان عمارہ بن ولید کو ہمراہ لے کر ابو طالب کے پاس پہنچے۔ اور کہا کہ اے ابو طالب! محمدؐ ہمارے اور تمہارے دین کا مخالف ہے۔ اس کو ہمارے حوالے کر دو۔ اور اس خوبصورت نوجوان کو اس کے عوض تم پاس رکھو۔ پختہ کار ابو طالب کچّی گولیاں نہ کھیلے تھے۔ متبسّمانہ انداز میں بولے۔ چہ خوب، میرے بیٹے کو تم قتل کر دو۔ اور تمہارے بیٹے کو میں پرورش کروں۔ قریش پھر بے نیلِ مرام واپس گئے۔

تدبیر کے ترکش سے جب دھمکی اور ترغیب کے سارے تیر ختم ہو چکے۔ تو قریش تحریص کا حربہ آزمانے پر آمادہ ہو گئے۔ دُنیا دار انسان کی خوشی کی کل کائنات دولت، طاقت اور حصولِ حُسن ہے تاریخ کے اوراق اُلٹ پلٹ کر دیکھو یہی "اقانیم ثلاثہ" سفلی خواہشات کا سرچشمہ ہیں۔ یہی دُنیا طلبوں کے اعمال کے محرک نظر آئیں گے اس لئے نبوّت کی عظمت سے ناآشنا لوگوں نے یہی سمجھا کہ محمدؐ کی سعی و عمل کا محور سوائے ان خواہشات کے اور کیا ہو سکتا ہے۔

غلاظت کا کیڑا پاکیزہ ہوا کی خوبی کیا جانے۔ مشرکوں کی چشمِ دُنیا دار نے رُوحانی رفعتوں کا نظارہ کب کیا تھا۔ چنانچہ عتبہ بن ربیعہ جب آنحضرتؐ کے پاس قریش کی طرف سے پیغامبر بن کر آیا۔ تو کہا۔ محمدؐ صاف صاف کہو۔ کیا چاہتے ہو؟ مکّہ کی حکومت، کسی بڑے گھرانے میں شادی، دولت کا ذخیرہ؟ تم اس نئے مذہب کی تبلیغ سے باز آؤ۔ ابھی مکّہ تمہارے تابعِ فرمان ہوا چاہتا ہے۔ دُنیا میں اس سے بڑھ کر کوئی کیا دے سکتا ہے۔ عتبہ صرف ہاں کا منتظر کھڑا تھا۔ لیکن سرورِ کائنات محمد صلی اللہ علیہ وسلّم کی نظر فانی دُنیا کی عارضی حکومت و دولت اور زوال پذیر حُسن پر نہ تھی۔ بلکہ وُہ اُس عاقبت کے طلب گار تھے۔ جہاں ان سب چیزوں کا پروردگار خود جلوہ گر ہے۔ اور جس کی ایک نظرِ کرم دُنیا کی دولت اور حکومت سے ہزار درجہ بہتر ہے۔ جس کی ایک نگاہِ خشم سینکڑوں دوزخوں کے برابر ہے۔ چنانچہ آں حضرتؐ نے ان ترغیبات کا جواب وحیِ ربّانی کے الفاظ میں یوں دیا:۔

| | |
|---|---|
| قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَاسْتَقِيْمُوْٓا اِلَيْهِ وَاسْتَغْفِرُوْهُ (حٰم السجدہ) | اے محمدؐ کہہ دے کہ میں تمہی جیسا آدمی ہوں مجھ پر وحی آئی ہے کہ تمہارا خدا بس ایک خدا ہے۔ بس سیدھے اُس کی طرف جاؤ اور معافی مانگو۔ |

| | |
|---|---|
| قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِیْ | کہہ دے کہ کیا تم لوگ خدا کا انکار کرتے |
| خَلَقَ الْاَرْضَ فِیْ یَوْمَیْنِ | ہو جس نے دو دن میں یہ زمین پیدا کی. |
| وَتَجْعَلُوْنَ لَهٗۤ اَنْدَادًا ؕ ذٰلِكَ | اور تم خدا کے شریک قرار دیتے ہو. |
| رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ۚ (حٰمٓ السجدہ) | یہی سارے جہان کا پروردگار ہے۔ |

اور آپ جس وقت دوسرے رکوع کی اس آیت پر پہنچے۔
فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّثَمُوْدَ
تو عتبہ کا رنگ فق ہو گیا۔ عتبہ دل کا نیک، طبیعت کا شریف تھا۔ حضورؐ کے قلب کو دنیوی خواہشات کی آلائشوں سے خالی پایا۔ تو متعجب ہو کر واپس آیا۔ اور سب سے کہا۔ کہ صاحبو! محمدؐ جو کلام پیش کرتا ہے۔ وہ شاعری نہیں۔ تم اُسے اپنے حال پر چھوڑ دو۔ اگر وہ عرب پر غالب آیا۔ تو تمہارا بول بالا ہوگا۔ اگر جان سے گیا تو تم سستے چھوٹے مگر نقار خانے میں طوطی کی کون سُنتا ہے۔ سب نے کہا۔ معلوم ہوتا ہے کہ محمدؐ کا جادو تم پر بھی چل گیا۔

# حضرت امیر حمزہؓ اور حضرت عمر فاروقؓ

آنحضرتؐ کے چچا حضرت حمزہؓ کی طبیعت میں سپاہیانہ لاابالی پن تھا۔ اور اُن کی زندگی کی ساری دلچسپیاں صید افگنی میں تھیں۔ وہ صبح شکار کیلئے گھر سے نکلتے اور شام کو واپس آتے تھے۔ اِدھر ہاشمیوں کا دبدبہ حضرت حمزہؓ کے زورِ بازو کا شرمندۂ احسان تھا۔ اِدھر وہ قریش کے دربار کے بھی ایک رتن تھے۔ ایسے بہادروں کو حوادثِ زمانہ کی طرف توجہ کرنے کی فرصت کہاں ہوتی ہے۔ حضورؐ کی بعثت کے بعد شرک اور توحید میں جو ہنگامہ برپا تھا۔ وہ اُس سے اس وقت تک بے پروا اور بے نیاز رہے تھے۔ اگرچہ عقیدے کے لحاظ سے تو وہ مشرکوں کے ساتھ تھے۔ تاہم انہیں آنحضرتؐ سے بے حد محبّت تھی۔ چچا بھتیجا ہونے کے علاوہ آپ رضاعی بھائی بھی تھے۔ کیونکہ دونوں ثوبیہ کا دودھ پی کر پلے تھے۔ عمر میں صرف تین برس کا فرق تھا۔ اور ساتھ کھیلے تھے۔ گویا محبّت کے سارے رشتے قائم تھے۔ لیکن اس کا اظہار نہ ہوا تھا۔

نورِ ایمان کو دیکھو۔ کہ کن کن گوشوں سے دل میں آتا ہے۔

ایک دن کا ذکر ہے کہ ابُوجہل نے حسبِ دستور آنحضرتؐ کو سخت اذیت دی۔ آپ ہرچہ مرضیٔ مولےٰ از ہمہ اولےٰ کہہ کر خاموش رہے۔ ایک کنیز جبر اور صبر کے اس نظارے کو دیکھ رہی تھی۔ حضرت امیر حمزہؓ جو شکار سے لوٹے۔ تو کنیز نے اُن سے ابُوجہل کی گستاخی کا تذکرہ کیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بھتیجے کی داستانِ مصیبت سُن سُن کر چچا کے صبر کا پیمانہ پہلے لبریز ہو چکا تھا۔ یہ واقعہ سُن کر بالکل چھلک گیا۔ اس وقت ابُوجہل حرم میں رؤسائے شہر کے ساتھ دربار لگائے خوش گپیوں میں مشغول تھا۔ یہ بہادر بپھرے ہُوئے شیر کی طرح پہنچے۔ تیر و کمان سنبھال کر ابُوجہل کو للکارا۔ کہ اے ابُوجہل! مَیں بھی مسلمان ہو گیا ہوں۔ مطلب یہ تھا کہ دم خم ہے۔ تو اُٹھ اور زور آزمائی کر۔ ہر چند ابوجہل ہمّت کا ہیٹا نہ تھا۔ مگر احتیاط کو دانائی کا بہترین جزو جان کر چپکا ہو رہا۔ اور پنجہ آزمائی پر سکوت کو ترجیح دی۔ حضرت امیر حمزہؓ کے اعلانِ اسلام نے مکّہ کے چھوٹے موٹے لفنگوں کو بالکل محتاط اور مؤدب بنا دیا۔ اور اکثر سرکش بھی آنحضرتؐ کے سامنے سے سر کھجلاتے نکل جاتے تھے۔ اور کسی کو گستاخی کا حوصلہ نہ ہوتا تھا۔

حضرت حمزہؓ کے اعلانِ اسلام نے قریش کے کلیجے میں ناسُور

ڈال دیا۔ حضرت عمرؓ ستائیس برس کے تھے۔ اور یہی نہیں کہ وہ اسلام نہ لائے تھے۔ بلکہ جوانی کے تقاضے اور سخت گیر طبیعت نے اُن کی اسلام دُشمنی کو جنون کی حد تک پہنچا رکھا تھا۔ لبیبہ جو اُنکے خاندان کی کنیز تھیں اسلام لائیں۔ تو اُن کی آنکھوں میں غصّے سے خُون اُتر آیا۔ ان غریب کو مارتے مارتے بیہوش کر دیتے۔ جب تھک جاتے تو چھوڑ دیتے۔ جب انہیں ہوش آتا تو مار پیٹ کا سلسلہ ازسرِ نو شروع کر دیتے۔ اُن کی یہ دست درازیاں لبیبہ تک محدود نہ تھیں۔ بلکہ جو مسلمان اُن کے ہتّے چڑھ جاتا اذیت اُٹھاتا تھا۔ ان پر جب اسلام کو دن دُگنی رات چوگنی ترقی کرتے پایا۔ تو معاملہ اُن کی برداشت سے باہر ہو گیا۔ ایک دن تلوار ٹیک کر اُٹھے کہ چلو آج چل کر محمد صلی اللہ علیہ وسلّم کا خاتمہ کر دیں۔ نعیم بن عبداللہ جو حضرت عمرؓ کے قرابت دار تھے۔ اور اسلام کی دولت سے مالا مال ہو چُکے تھے۔ انہیں راہ میں ملے۔ اور تیوروں سے دل کی کیفیّت کا اندازہ کر کے بولے۔ اے عمرؓ! کہاں کا عزم ہے۔ حضرت عمرؓ نے کہا۔ کہ بس محمدؐ کا خاتمہ کرنے جاتا ہوں۔ نعیم بولے۔ کہ بھائی! محمدؐ کا خاتمہ تو پھر کر لینا پہلے بہن اور بہنوئی کی خبر لو۔ کیونکہ وہ بھی تو اسلام کے غلام ہو چُکے ہیں۔ حضرت عمرؓ

یہ سُن کر آگ بگولا ہو گئے۔ طوفان کی طرح بہن کے گھر کی طرف بڑھے۔ اتفاق سے وقت کہ آپ کی ہمشیرہ فاطمہؓ باواز بلند قرآن پڑھ رہی تھیں۔ پاؤں کی آہٹ پا کر چونکیں۔ اور قرآن کے اجزا چھپا دیے۔ حضرت عمرؓ نے گھر میں داخل ہوتے ہی بہنوئی حضرت سعیدؓ کو ڈانٹ بتائی کہ تم مرتد ہو گئے ہو۔ پھر آؤ دیکھا نہ تاؤ، انہیں لپٹ گئے۔ فاطمہؓ چھڑانے اُٹھیں۔ حضرت عمرؓ نے چھوڑا اور بہن کو مار مار کر لہولہان کر دیا۔ فاطمہؓ نے غصّے سے جھلا کر کہا کہ جو تجھ سے ہو سکے کر دو، ہم تو اسلام کے غلام اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانبردار ہو چکے ہیں۔ یہ تیکھا لیکن اور سنجیدہ جواب سن کر حضرت عمرؓ نے نظر اُٹھائی۔ بہن کو لہو میں لت پت پایا۔ اس راسخ عزم اور خونی نظارے نے پتھر دل کو موم کر دیا۔ اور طبیعت کا رُخ ظلمت سے ہٹا کر نور کی طرف پھیر دیا۔ حضرت عمرؓ نے ذرا بدلے ہوئے لہجے میں کہا۔ اچھا جو تم پڑھ رہے تھے وہ مجھ کو بھی سُناؤ۔ فاطمہؓ نے طبیعت کے انقلاب کو چہرہ کے رنگ اور بدلے ہوئے لہجے سے بھانپا۔ موقع غنیمت جان کر قرآن کے اجزا سامنے رکھ دیے۔ حضرت عمرؓ نے اس سُورۃ کو پڑھنا شروع کیا۔

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ
لَهٗ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ
یُحْیٖ وَیُمِیْتُ ۚ وَهُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ
قَدِیْرٌ هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ
وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۚ وَهُوَ بِکُلِّ
شَیْءٍ عَلِیْمٌ ○ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ
اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ ۚ
یَعْلَمُ مَا یَلِجُ فِی الْاَرْضِ وَمَا
یَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا یَنْزِلُ مِنَ
السَّمَآءِ وَمَا یَعْرُجُ فِیْهَا ۚ وَهُوَ
مَعَکُمْ اَیْنَ مَا کُنْتُمْ ۚ وَاللّٰهُ بِمَا
تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ○ لَهٗ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ ۚ وَاِلَی اللّٰهِ تُرْجَعُ
الْاُمُوْرُ ○ یُوْلِجُ الَّیْلَ فِی النَّهَارِ
وَیُوْلِجُ النَّهَارَ فِی الَّیْلِ ۚ وَهُوَ

اللہ کی پاکیزگی بیان کرتے ہیں سب
کچھ جو آسمانوں اور زمین میں ہے۔ اور وہ
زبردست حکمت والا ہے۔ اسی کی سلطنت
ہے آسمان اور زمین کو وہی حیات دیتا
ہے اور موت دیتا ہے۔ اور وہی ہر چیز
پر قادر ہے۔ وہی پہلے ہے اور وہی پیچھے، وہی
ظاہر ہے اور وہی مخفی ہے۔ اور وہ ہر چیز کا
خوب جاننے والا ہے۔ ایسا ہے کہ اس نے
زمین و آسمان کو چھ روز میں پیدا کیا پھر تخت
پر قائم ہوا۔ وہ سب کچھ جانتا ہے۔ جو چیز زمین
کے اندر داخل ہوتی ہے۔ اور جو چیز اس
میں سے نکلتی ہے۔ اور جو چیز آسمان سے
اُترتی ہے اور جو چیز اس میں چڑھتی ہے
اور وہ تمہارے ساتھ رہتا ہے خواہ تم لوگ
کہیں بھی ہو اور وہ تمہارے سب اعمال بھی
دیکھتا ہے۔ اُس کی سلطنت ہے آسمان اور
زمین کی، اور اللہ ہی کی طرف سب امور لوٹا

جائیں گے۔ وہی رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور وہی دن کو رات میں داخل کرتا ہے اور دل کی باتوں کو جانتا ہے تم لوگ اللہ اور اُس کے رسول پر ایمان لاؤ۔

عَلِیْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ (الحدید)

جب یہاں تک پہنچے۔ تو شوکتِ الفاظ اور جلالِ خداوندی کے اس بلیغ بیان نے آنکھوں کے سامنے نئی دُنیا کھول کر رکھ دی۔ ایک طرف غضبِ الٰہی کا شعلہ خیز دوزخ نظر آنے لگا۔ دوسری طرف لطفِ خداوندی کی اطمینان بخش جنّت نگاہ کے سامنے جلوہ افروز ہوگئی۔ جب حضرت عمرؓ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ پر پہنچے تو بے ساختہ کلمہ طیبہ زبان سے نکل گیا۔ اور اسی طرح ہاتھ میں تلوار لئے بہنوئی کے گھر سے نکل کر ارقمؓ کے گھر کی طرف چلے۔ ارقمؓ کا مکان کوہِ صفا کے دامن میں واقع تھا۔ اور شروع سے مومنین کی عبادت گاہ بنا ہوا تھا۔ مسلمانوں نے حضرت عمرؓ کو یوں شمشیر بکف آتے دیکھا تو سخت پریشان ہوئے۔ لیکن حضرتِ حمزہؓ جو دُنیا کے کسی خطرے کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔ نہایت اطمینان سے بولے۔ کہ آنے دو۔ اگر اچھی نیّت سے آیا ہے، تو بہتر ورنہ اسی کی تلوار سے اس کا سر قلم کردُونگا چنانچہ دروازہ پہ دستک دی۔ آواز سُن کر کواڑ کھولے گئے حضرت عمرؓ نے اندر قدم رکھا تو آنحضرت صلعم آگے بڑھے۔ اور اُنکا دامن

پکڑ کر فرمایا۔ کہو عمرؓ! کیا ارادہ ہے۔ حضرت عمرؓ کی جھکی ہوئی آنکھیں
اُن کے عزم کا پتہ دے رہی تھیں۔ تاہم حضرت عمرؓ نے لڑکھڑاتی
ہوئی زبان سے عرض کیا۔ کہ حضورؐ ایمان لانے کے لئے حاضر ہوا
ہوں۔ آنحضرتؐ نے جوشِ مسرت سے نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ ارقمؓ
کے گھر میں جتنے مسلمان موجود تھے وہ بھی اس زور سے اللہ اکبر
پکارے۔ کہ تکبیر کی صدائے بازگشت سے مکّہ کی پہاڑیاں گونج
اُٹھیں۔ اور دینِ اسلام کا بول بالا ہوا۔ حضرت عمرؓ کی طبیعت جوش
کا سمندر تھی۔ وہ قوّت جو اب تک تخریبِ اسلام میں صرف
ہوتی تھی۔ اب تعمیرِ دین کے لئے وقف ہوگئی۔ حضرت عمرؓ کے اسلام
لانے سے کفر کے دل پر اور بھی ہیبت چھاگئی۔ اور مسلمان
بے روک ٹوک کعبہ میں نماز پڑھنے لگے۔

قریش کے لئے حضرت امیر حمزہؓ کے اسلام لانے کا صدمہ
ناقابلِ برداشت تھا۔ اب حضرت عمرؓ کے اسلام نے اُن کو بالکل
متوحش کر دیا۔ چنانچہ ایک مجلس شوریٰ منعقد کی گئی۔ اور تدبیر کے
گھوڑے دوڑائے جانے لگے۔ آخر صلاح ٹھہری کہ بنو ہاشم سے
جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت اور رعایت سے باز نہیں
آتے۔ ترکِ موالات کیا جائے۔ چنانچہ قبائل نے مل کر قطع تعلق کا

ایک معاہدہ مرتب کیا۔ تاکہ ہاشمیوں سے روٹی بیٹی اور لین دین کے تعلقات نہ رکھے جائیں۔ تاوقتیکہ تنگ آکر حضورؐ کو قتل کے لئے حوالہ کر دیں۔ اُدھر قبائل میں یہ قرارداد منظور ہوئی۔ اِدھر ابُوطالب نے تجربہ کی روشنی میں خطرہ کو بھانپا۔ وہ مختلف قبائل کے متحد ہونے کی اہمیّت کو خوب سمجھتے تھے۔ چنانچہ عمر کے بُوڑھے، عقل کے جوان ابوطالب فوراً تمام خاندان کو لے کر پہاڑ کے ایک درے میں محصور ہو بیٹھے۔ تاکہ اچانک حملے سے خاندان محفوظ رہے۔ اور آنحضرتؐ کی جان جوکھوں میں نہ پڑے۔ یہ درہ بنو ہاشم کا موروث اور شعب ابوطالب کے نام سے معروف تھا۔ محاصرہ کی شدّت نے محصورین کو سخت تکلیف میں مبتلا کر دیا۔ کئی کئی دن تک کھیل تک اُڑ کر نہ گئی۔ صحابہ نے پتّیاں اُبال اُبال کر پیٹ بھرا۔ چمڑے دھو کر آگ پر بھون بھون کر کھانے پڑے۔ بھوکے بچّوں کے رونے کی آوازیں مسلمانوں کے لئے سوہان رُوح تھیں۔ لیکن مشرکوں کے لئے ایسی سامعہ نواز تھیں کہ وہ انہیں سُن سُن کر خوش ہوتے اور اپنی کامیابی پر ناز کرتے۔ ہاشمیوں کی تکلیف اور مصیبت کی اس زندگی نے تین سال تک طول کھینچا۔ اگرچہ آنحضرت کا خاندان ابھی تک ایمان نہ لایا تھا۔ مگر نبی کے قرب نے اُن پر مصائب کے

کے باوجود ایک کیف اور سرور طاری کر رکھا تھا پیغمبر کے فیضِ صحبت سے مشرک ہاشمیوں کا آنحضرتؐ کے لئے یہ ایثار نا واقف انسانوں کے لئے ایک راز بن کر رہ گیا۔ اس لئے وہ ہاشمیوں کی اس حیرت انگیز پُشت پناہی کو صرف خاندانی عصبیت قرار دیتے ہیں۔ بیشک وہ مجبور تھے۔ کیونکہ عام دنیادار نبی کے قرب کی اطمینان بخش دل اور اعجاز نمائیوں سے واقف نہیں ہوتے۔ حالانکہ حق یہ ہے کہ خاندان والوں نے آنحضرتؐ کو جتنا قریب سے دیکھا انہیں نورٌ علیٰ نور پایا۔ اگرچہ وہ ایمان نہ لائے لیکن آپ کے محاسنِ اخلاق کے پہلے سے زیادہ قائل ہو گئے۔ اور اُن کا دل نہ چاہا کہ نور کی اس شمع کو مخالف ہواؤں کے حوالے کر دیں۔ اس لئے انہیں جان سے لگائے رکھا۔

دوسرے قبائل میں جو لوگ بنو ہاشم کے قرابت دار تھے۔ ہاشمیوں کی اس بدحالی کو دیکھ کر خونِ جگر پیتے تھے۔ مگر سردارانِ قریش کے خوف سے دم نہ مارتے تھے۔ ہشام عامری خاندانِ بنو ہاشم سے قرابت رکھتا تھا۔ ایک دن جو اس کے دل میں رحم آیا۔ تو وہ اُٹھ کر ہاشمیوں کے دوسرے قرابت داروں کے پاس گیا۔ اور سب کو شرم دلائی۔ کہ تم کھا پی کر مزے اُڑاتے ہو۔ حالانکہ تمہارے عزیز محصور

ہوکر فاقوں مر رہے ہیں۔ جنگجو قوموں کے افراد کا عجب حال ہوتا ہے۔ کبھی ہاتھی سر پر سے گذر جائیں۔ تو اُن کے کان پر جوں تک نہیں رینگتی کبھی ذرا سی بات پر بھڑک اُٹھیں۔ تو طوفان اُٹھا دیں ہشام کے طعنے سے زبیر، معطم بن عدی، عدی بن قیس، زمعہ بن الاسود، اور ابو البختری بن ہشام حرم میں پہنچے۔ اور درِ حرم پر لٹکے ہوئے معاہدہ کو چاک کر دیا۔ پھر ہتھیار باندھ کر شعب ابوطالب میں بنو ہاشم کے پاس گئے۔ غرض یہ تھی۔ کہ گھروں کو چلو جو شخص تمہارے مزاحم ہوگا موت کے گھاٹ اُتار دیا جائیگا۔ اس طرح تین برس کے بعد پھر بنو ہاشم گاؤں میں زندگی بسر کرنے لگے۔

عام الحزن

خدا کی محبّت کا دعوٰے بھی کیسی کٹھن منزل اور مشکل گھاٹی ہے۔ ایک مہم سر نہیں ہوتی۔ کہ رکاوٹ کا دوسرا پہاڑ سامنے آتا ہے آنحضرت کے مصائب کو لکھتے لکھتے قلم تھک جاتا ہے۔ مگر تکالیف کا لا انتہا سلسلہ ختم ہونے میں نہیں آتا۔ انسان کی اولوالعزمیوں کی تاریخ کو دیکھو، ایسا کوہ وقار اور صاحب عزم شخص کسی کو نہ پاؤ گے۔ نبوّت کے دس سال پورے ہو چکے تھے۔ شعب ابی طالب سے نکلے کچھ دن ہوئے تھے۔ کہ تدبیر کے شاہ سوار، محسن اور معاون چچا ابوطالب عمر کی اسّی منزلیں طے کر کے سفرِ دُنیا طے کر گئے۔ اِس صدمہ

جان کاہ کا حال کوئی آنحضرتؐ کے دل سے پُوچھے۔ حضورؐ کی زندگی کے پچاس برس میں ایک لمحہ ایسا نہ آیا تھا۔ کہ پیارے چچا کی طرف سے کبھی دل میلا ہوا ہو۔ نہ چچا پر ایسا دن آیا۔ کہ آنکھ گھری کی ہو۔ ابوطالب ٹھنڈا سایہ تھے۔ اور ان کی پناہ حصار سے زیادہ محفوظ تھی اُن کی موت نے خاندان ہاشم کو یتیم بنا دیا۔

ابھی ابوطالب کا کفن میلا نہ ہونے پایا تھا کہ حضورؐ کی شریکِ زندگی حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ اپنی محبت اور ایمان کا غیر فانی نقش چھوڑ کر دُنیا سے رحلت فرما گئیں۔ آپ مصیبتوں میں وجہ تسکین اور پریشانیوں میں صورتِ تسلّی تھیں۔ حضورؐ نے بچشمِ پُرنم خود جنازہ قبر میں اُتارا۔ تم قیاس کر سکتے ہو۔ کہ ان دو صدموں سے آنحضرتؐ کے لئے دُنیا کس طرح اندھیر ہو گئی ہو گی؟ چنانچہ اسلام کی تاریخ میں یہ سال عام الحزن یعنی سالِ غم کہلاتا ہے۔ بیشک حضورؐ بیکسی کے عالم میں خدا کی امداد چاہتے۔ اور تکلیف کے وقت بھی اسی کا سہارا ڈھونڈھتے تھے۔ مگر عزیزوں کی موت کا غم تقاضائے بشریت ہے۔ دُنیا میں محسنوں کے احسان کو فراموش کرنا حضورؐ کے شایانِ شان نہ تھا۔ کاش تنہائیوں کے یہ مونس اور مصیبتوں کے یہ ساتھی اس وقت تک زندہ رہتے۔ جب فتح مکّہ کے بعد آمنہ کا لال عبداللہ

کا بیٹا، رحمت اور عفو کا تاج پہن کر کوہِ صفا پر جلوہ افروز ہوا۔ مگر مشیّتِ پروردگار یہی تھی۔ کہ اس کا بندہ دُنیا کے سارے سہارے چھوڑ دے۔ اور سارے سلسلے توڑ دے۔ تاکہ کوئی یہ نہ کہہ سکے، کہ پیغمبرِ آخر الزمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ظفر مندیاں فلاں شخص کی شرمندۂ احسان ہیں۔

کہتے ہیں کہ شاعر میں شجاعت نہیں ہوتی۔ یہ سچ ہو یا جھوٹ مگر تدبیر کا خانہ تو الّا ماشاء اللہ اکثر خالی ہوتا ہے۔ خیالی مضامین کے ہجوم سے دماغ میں ایک بغاوت سی بپا رہتی ہے مگر ابو طالب شاعر بھی تھے اور مدبّر بھی۔ ان کی تدبیروں کے سامنے قریش کے بڑے بوڑھے بھی طفلِ مکتب تھے۔ وہ واقعات کا مطالعہ نظرِ غائر سے کرتے۔ اور دُور رس عقل سے حالات کو بھانپ جاتے تاہم نتیجہ جلد زبان پر نہ لاتے تھے۔ اسی لئے اُن کے کفر اور ایمان کی بحث ایک معمہ بن کر رہ گئی۔ اس عقدہ کی جتنی گرہ کشائی کی جائے اتنا ہی اُلجھا ہوا نظر آتا ہے۔ بنابریں کچھ لوگ تو اُن کے کفر کے قائل ہیں۔ کچھ ایمان کی تصدیق کرتے ہیں۔ جب ایک طرف اُن کی غیر متزلزل محبّت اور مسلسل جاں نثاریوں کا جائزہ لیا جاتا ہے تو اُن پر ایک مومن کے اخلاص کا گمان گزرتا ہے۔ دوسری طرف

آنحضرتؐ کو بُلا کر تبلیغ دین سے باز رکھنے کا مشورہ سامنے آتا ہے تو حمایت کا سارا جوش خاندانی عصبیت اور محبّت کا تقاضا معلوم ہوتا ہے۔ عقل کی نکتہ آفرینیوں کو نقل کی طرف رجوع کیا جائے۔ تو وہاں بھی مختلف روایتوں کے درجۂ اسناد میں چنداں فرق معلوم نہیں ہوتا۔ بخاری اور مسلم کی روایت یہ ہے کہ ابوطالب کی وفات کے وقت آنحضرتؐ بھی تشریف لے گئے۔ اور اقرار ایمان کی تبلیغ کی۔ اس کے جواب میں ابوطالب نے انکار کیا۔ ابن اسحاق کی روایت ہے۔ کہ ابوطالب نے کلمہ پڑھا۔ اور حضرتِ عباسؓ نے کان لگا کر سُنا۔ اوّل الذکر روایت مرسل ہے، دوسری میں ایک راوی رہ گیا ہے۔ لیکن صحیح بخاری اور مسلم کی روایت کا درجہ بہت بلند ہے۔

# طائف

اِدھر دو رفیقوں نے دُنیا سے مُنہ موڑا۔ اُدھر قریش نے پھر آنکھیں بدل لیں۔ نئے سرے سے اِکّے دُکّے مسلمانوں پر حملے شروع ہو گئے۔ ایک دن حضورؐ گھر آ رہے تھے۔ کہ کسی شقی نے

سر پر خاک ڈال دی۔ حضورؐ کی صاحبزادی حضورؐ کا سر دھوتی تھیں اور زار زار روتی تھیں۔ بیٹی کی سسکیاں سُن کر آنحضرتؐ بولے۔

جانِ پدر! مت رو۔ خُدا تیرے باپ کی حفاظت کرے گا۔ عبرت نے پھر حسرت کی آنکھ اُٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا اور کہا۔ کہ اے آسمان دُنیا کے محُسن کے ساتھ یہ معاملہ!

خُدا کی راہ میں مصیبت اُٹھانے والوں کے اطمینانِ قلب کی نہ پوچھو۔ ان کے دل کا کوئی گوشہ غیر آباد نہیں ہوتا۔ سرورِ دو عالم کی درد سے لذّت آشنا جان خدا کی راہ میں لاکھوں مصیبتیں اُٹھا کر بھی نہ اکتاتی۔ اور حضورؐ مکّے میں ہی ساری عمر تکلیفیں اُٹھاتے چلے جاتے۔ مگر عمر کی کوتاہی اور ادائے فرض کا خیال پیشِ نظر تھا۔ اس لیۓ مکّہ میں کامیابی کی راہیں مسدود پاکر طائف کو چلے کہ شاید اسی جگہ نخلِ توحید پھلے پھولے اور بار آور ہو۔

طائف عرب کی ملکہ، مکّہ سے ساٹھ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ یہاں کی سبز پوش چراگاہیں اور زرخیز زمینیں، رنگین ادا محبوب کے دلفریب تبسّم کی طرح مسافر کی نگاہوں کے سامنے اٹھتی ہیں۔ اس کے باغوں کی بہتات، سایہ دار درختوں، ثمر ور شاخوں اور ٹہنیوں سے لٹکتے ہوئے انگوروں کو دیکھ کر راہرو

"فردوس برروئے زمین" پکار اُٹھتا ہے۔ خُدا کی قدرت ہے کہ جو سرزمین دُنیا کی دولت سے مالامال ہوتی ہے۔ وہی نیکی کے لحاظ سے بنجر ہوتی ہے۔ بھلائی کا پودا وہاں قسمت ہی سے بارآور ہوتا ہے۔ سرمایہ دارانہ شادمانی کی کل کائنات مہ جبینان نوساختہ اور عروسانِ نوآراستہ ہوتی ہیں۔ فارغ البال لوگ خوشیوں کی تلاش میں گمراہیوں کے صحرا میں کھو جاتے ہیں۔ سراب نما گناہ آنکھوں کے سامنے خوشیوں کی پُرفریب جنّت کھول دیتے ہیں۔ اور لوگ سرعت سے اُس کے پیچھے لپکتے ہیں۔ حتّےٰ کہ سینہ صحرا میں پہُنچ کر مایوسیوں سے جان دیدیتے ہیں۔ طائف کے ارباب اثرو اقتدار کا حال دُنیا کے عام اُمرا سے کچھ مختلف نہ تھا۔ تاہم آنحضرتؐ غرورِ نسب کے نشہ میں سرشار قریش کی بستی کو چھوڑ کر خمارِ دولت سے مدہوش اہل طائف کے پاس تشریف لے گئے۔ زید بن حارث جو رسمی غلامی سے آزاد ہوکر محبّت کی زنجیروں میں بندھے ہوئے تھے، آنحضرتؐ کے ہمراہ تھے۔ اس جگہ عمیر کا خاندان اوروں میں ممتاز تھا۔ عبدیالیل، مسعود اور حبیب تینوں بھائی اس خاندان کے سردار سمجھے جاتے تھے۔ آنحضرتؐ پہلے اُن کے پاس ہی پہنچے۔ دولت دُنیا سے تہی دست، شان وشوکت سے خالی،

ایک خستہ تن مسافر کا کسی امیر کے ہاں جانا ہی گستاخی تصوّر کی جاتی ہے۔ پھر اس پر مستزاد یہ کہ وہ انہیں کوئی نیکی اور سعادت کی راہ بتائے۔ اُمرا کی طبیعت بھلا ایسی بے ادبیوں کی متحمل کہاں ہوتی ہے۔ لگے مذاق اڑانے اور بھانت بھانت کی بولیاں بولنے۔ ایک نے کہا۔ صاحب تجھے خدا نے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے تو تُو کعبہ کا پردہ چاک کر رہا ہے۔ دوسرا بولا۔ ارے بھائی! یہ تو بتاؤ تمہارے سوا خدا کو کوئی اور رسول نہ ملنا تھا۔ تیسرا پاس سے پکارا۔ مَیں بہر حال تجھ سے بات نہیں کر سکتا۔ اگر تو سچّا ہے۔ تو تجھ سے گفتگو کرنا خلافِ ادب ہے۔ اور اگر تو جھوٹا ہے تو گفتگو کے لائق نہیں۔

امارت اور اقتدار یہی کیفیت اور ذہنیت پیدا کرتے ہیں۔ اُمرا۔ غریبوں کو خاطر میں نہ لانے کے خوگر ہوتے ہیں۔ دُنیا کے آرام و آسائش کو غربا کی دسترس سے باہر پا کر روحانی مملکت کے مدارج و مناصب کا قیاس بھی اسی پر کرنے لگتے ہیں۔ خیال کرتے ہیں کہ پیغمبر ان سے کچھ بڑا انسان نہ سہی۔ مگر برابر کی ٹکر کا تو ضرور ہو۔ یہ کیا کہ خدا کا نبی خدم و حشم کے ساتھ نہ آئے۔ مکّہ کے ارباب کبر و نخوت ہمارے یتیم آقا، منکسر المزاج مولیٰ صلعم

کو جب باایں ہمہ دعوائے نبوت عجز سے گردن جھکائے گلیوں میں تنہا چلتے پھرتے دیکھتے۔ تو اسی قسم کی باتیں کرتے تھے۔ جو طاقت کے ان ارباب اقتدار کی زبان پر سبلے اختیار آگئی تھیں۔ ان لوگوں کو کیا خبر کہ ظاہری دنیا کے قانون باطنی سلطنت پر حاوی نہیں۔ وہاں تو جو گردن جھکاتا ہے بلندی پاتا ہے۔ جو اکڑتا ہے نیچا دیکھتا ہے۔

غرض یہ یاس انگیز اور عبرت خیز جواب پاکر آنحضرتؐ ان امرا کے گھر سے نکلے۔ مگر جاتے کہاں۔ ان بے کار امرا کو مدت کے بعد ایک مشغلہ ہاتھ آیا تھا۔ تفنن طبع کے لئے وہ پہلی گفتگو ناکافی تھی۔ اس لئے شہر کے اوباشوں کو اشارہ کیا گیا۔ اور امرا کے حاشیہ نشین، لفنگے، اسفل کمینے ٹوٹ پڑے۔ کچھ بازار کے لونڈے ہمراہ ہو لئے۔ اور گستاخیاں کرنے لگے۔ وہ لوگ گالیاں بکتے تھے۔ اور تالیاں بجاتے تھے۔ یہ شورش سن کر شہر کے سب بے فکرے جمع ہو گئے۔ اور بازار میں دو رویہ کھڑے ہو گئے۔ دنیا کا محسن جدھر سے گزرتا تھا۔ یہ شقی اس پر پتھروں کی بارش کرتے تھے۔ حضورؐ لہولہان ہو گئے۔ تو بھی پیچھا نہ چھوڑا۔ آخر گھائل ہو کر زمین پر گرے۔ مگر کسی نے آپ پر رحم

نہیں کھایا۔ بغل میں ہاتھ دے کر اُٹھا دیئے گئے۔ حضورؐ اُٹھ کر لڑکھڑاتے ہوئے چلے پھر پتھر برسانے شروع کر دیئے گئے۔ حضورؐ یونہی زخموں سے چُور چُور، خون سے لت پت، سراسیمہ ہو کر طائف سے جُوں توں باہر نکلے۔ شہر کے باہر تین میل تک بدمعاشوں نے آپ کا پیچھا کیا۔ آخر آنحضرتؐ ایک باغ میں پہنچے۔ اور وہاں پتھروں کی بارش سے پناہ پائی۔ یہ باغ مکّہ کے رئیس عتبہ بن ربیعہ کا تھا۔ جس نے عربی شرافت برتی۔ اپنے غلام کے ہاتھ انگوروں کا ایک نہایت عمدہ خوشہ بھیجا۔ آنحضرت کے غلام نیک فرجام زید بن حارث دین و دُنیا کے آقا کو بچاتے بچاتے خود زخمی ہو گئے۔ تاہم اس بارِ عزیز اور متاعِ گراں کو جوں توں لے کر نخلہ کے مقام پر پہنچے۔ یہاں آنحضرتؐ نے چندے قیام فرمایا اور پھر مکّہ تشریف لے گئے۔

پیغمبرؐ کا ہر عمل درس کی ایک دُنیا ہوتا ہے۔ جو لوگ گوشِ ہوش رکھتے ہیں۔ وہ آنحضرتؐ کے دہانِ زخم سے تیرہ سو سال کی نکلی ہوئی اور فضا میں بکھری ہوئی آواز کو اب بھی سُن سکتے ہیں۔ کہ محمدؐ خالق ارض و سما کے بس میں ہے۔ مگر خالق، مخلوق کے بس میں نہیں۔ دُنیا کے قوی اور جری نبی اور ولی سب اس کے تابع فرمان ہیں۔ کوئی اس کی

مصلحت اور رائے کا مالک نہیں۔ طائف میں آنحضرتؐ کی بے بسی کی اس نمائش سے یہ بات پایۂ ثبوت تک پہنچ گئی۔ کہ کوئی بڑے سے بڑا انسان بھی خدا کی خدائی میں تصرف نہیں کر سکتا۔

فطرتِ انسانی کا نبض شناس آقا جانتا ہے کہ اُمرا اِلّا ماشاءاللہ اخذِ خیر کی قابلیتوں سے محروم ہوتے ہیں۔ طائف میں جانا یا نہ جانا اگر ان کے بس کی بات ہوتی، تو شاید اُدھر کا رُخ نہ کرتے مگر پیغمبرؐ کا ارادہ کسی اور ارادے کے ماتحت ہوتا ہے۔ وہ جاتے نہیں بلکہ لے جائے جاتے ہیں۔ پیغمبر کو تو امیر و غریب تک پیغام پہنچانا ہوتا ہے۔ عمل کرانا اس کا فرض نہیں۔ علاوہ ازیں مشیت اس حقیقت کو اور واشگاف کرنا چاہتی ہے کہ ہاتھی سُوئی کے ناکے میں سے گزر سکتا ہے۔ مگر دولتمند کے لئے جنّت میں جانا سہل نہیں۔ یہ سچائی بہت سے پیغمبروں نے بیان کی۔ حضورؐ کے عمل سے مکّہ اور طائف میں ظاہر ہوئی۔ دونوں مقامات کے اُمراء کی مخالفت، اُمّت کے اربابِ اقتدار کے لئے تنبیہہ ہے۔ یاد رکھو۔ دولت اور اقتدار حرام نہیں۔ ہاں ان کا نشہ حرام ہے۔ دُنیا کماؤ تو امّت کے کام میں لاؤ۔ خود استعمال کرو گے تو خمار چڑھے گا۔ دُنیا کے ہوش کھو کر عاقبت خراب کرو گے۔

طائف میں حضورؐ کا ورود جہاں اُمرا کے لئے تنبیہ ہے وہاں علما کے لئے درسِ عبرت ہے۔ خدا کی بندگی کا دعوے محض زبانی عبادت پر موقوف نہیں بلکہ پتھروں کی بارش میں خون سے وضو کر کے نماز کی نیّت کرنا پڑتی ہے۔ خوب سمجھ لو کہ کارِ دُنیا سے کارِ دین مشکل ہے۔ تقویٰ فروشیوں اور عبادت گذاریوں کی نشر و اشاعت سے متبعین کی تعداد میں اضافہ کرنا دین نہیں۔ ہاں جانکاہ خدمت گذاریوں سے بنائے مِلّت کو استوار کرنا باعثِ اجر ہے۔ اس شمعِ ہدایت کی روشنی میں دین کا دشوار گذار راستہ ڈھونڈو۔ اِدھر اُدھر ہٹنے میں ٹھوکر کا احتمال ہے۔ حجروں سے نکل کر میدان میں آؤ۔ میدان ہی مخلص اور ریاکار کی امتحان گاہ ہے۔ اسلام کو دینِ مسیحی نہ تصوّر کرو۔ ایسا نہ ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلّم کی مصیبتوں کو مِلّت کے گناہوں کا کفارہ سمجھ کر خود تن آسانیوں اور راحت پسندیوں میں مبتلا ہو جاؤ۔

تل ہیں تبلیغ

اس وقت تک تو لوگ انفرادی طور سے دینِ متین میں داخل ہوتے رہے۔ مگر اس کے بعد اجتماعی قبولیّت کا باب وا ہونے والا تھا۔ آنحضرتؐ کا معمول تھا۔ کہ ایامِ حج میں زائرینِ حرمؓ کے پاس جا کر تبلیغ فرمایا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ آپ عام اجتماعات میں بھی تشریف لے جاتے تھے۔ تاکہ خوشی کے جویا لوگ حقیقی شادمانی کی راہ

باتیں۔ دعوتِ حق کے جواب میں رؤسائے قبائل یا تو روکھا سوکھا جواب دیتے رہے۔ یا بڑی مہربانی کی تو ٹال دیا۔ چنانچہ آنحضرتؐ بنی حنیفہ کے پاس جو یمامہ میں آباد تھے گئے۔ تو وہ اس نرم گفتار آقا سے گرم گرم بولے۔ قبیلہ بنو ذہل بن شیبان کے پاس حضرت ابوبکر صدیقؓ کو لے کر پہنچے۔ تو وہ لوگ بڑی مروت سے پیش آئے۔ ان میں سے ایک شخص مفروق نامی نے آنحضرتؐ سے پوچھا۔ کہ تم کیا تلقین کرتے ہو۔ آپ نے فرمایا کہ خدا ایک ہے۔ اور میں اس کا پیغمبر ہوں۔ اور یہ آیتیں پڑھیں:۔

| | |
|---|---|
| قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ | کہہ دو کہ آؤ میں تمہیں سناؤں کہ خدا نے |
| رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ | کیا چیزیں حرام کی ہیں۔ یہ کہ خدا کے ساتھ |
| شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا | کسی کو شریک نہ کرو۔ اور والدین کا حق |
| وَلَا تَقْتُلُوْا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ | خدمت بجالاؤ۔ اور اپنے بچوں کو افلاس |
| نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ ج وَلَا | کے خیال سے قتل نہ کرو۔ ہم تم کو اور ان |
| تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ | کو دونوں کو روزی دیں گے فحش باتوں |
| مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ج وَلَا تَقْتُلُوا | کے پاس نہ جاؤ۔ وہ ظاہر ہوں یا پوشیدہ |
| النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا | اور آدمی کی جان جس کو خدا نے حرام کیا |
| بِالْحَقِّ ط ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ | ہے۔ ہلاک نہ کرو مگر جائز طور پر۔ ان باتوں |

لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ (الانعام) کا وہ تمہیں حکم دیتا ہے تاکہ تم سمجھو۔
اُنہوں نے یہ سُن کر مرحبا کہی۔ مگر آبائی دین چھوڑنے سے معذرت

چاہی۔
پھر حضورؐ قبیلہ عامرہ کے پاس گئے۔ تو ان میں سے ایک دُنیادار لیڈر فراس نامی بولا کہ اے کاش! یہ شخص مجھ کو ہاتھ آجائے تو میں تمام عرب کو مسخر کر لوں۔ پھر آپ سے پوچھا۔ کہ اگر مخالفوں پر غالب آئے۔ تو میں تمام عرب کو مسخر کر لوں۔ پھر آپ سے پُوچھا۔ کہ اگر مخالفوں پر غالب آئے تو حکومت ہم کو دو گے؟ ہر طرح کے فریب سے پاک پیغمبر نے فرمایا۔ یہ خُدا کے ہاتھ میں ہے۔ فراس بولا۔ مریں ہم اور حکومت غیروں کو ملے! یہ سودا مہنگا ہے۔
انہی گھنگھور مایوسیوں میں اُمید کی پہلی کرن پھُوٹی۔ آنحضرت صلعم ایامِ حج میں اسی طرح تبلیغِ دین میں پھرتے پھراتے مکّہ کے قریب مقامِ عقبہ کے پاس پہنچے۔ تو آپ کو چند سعید رُوحیں نظر پڑیں۔ آپ نے ان کا حسب نسب نام مقام پوچھا۔ معلوم ہوّا کہ یہ خاکِ پاک مدینہ کے رہنے والے بنی خزرج کے قبیلہ کے لوگ ہیں۔ حضورؐ نے اُن کو دعوت دین دی۔ اور کلام پاک سُنایا۔ نیک دلوں میں کلامِ الٰہی اور زبانِ پیغمبر نے کیا اثر کیا۔ گویا گلزار میں بہار

آگئی۔ پیارے نبیؐ نے جو کہا۔ لوگوں نے گوشِ ہوش سے سُنا۔ اور قلبِ صمیم سے قبول کیا۔ یہ فرشتہ سیرت انسان صورت کون لوگ تھے؟ عقبہ بن عامر، اسعد بن زرارہ، عوف بن حارث، رافع بن مالک بن عجلان، قطبہ بن عامر، جابر بن عبداللہ۔

عقیدت نے کہا "دیکھو یہ تہی دست آئے تھے۔ دامنوں میں دولتِ دین بھر کر چلے ہیں۔" رافع بن مالکؓ کا ستارہ سب سے زیادہ چمکا۔ اِس وقت تک جس قدر قرآن اُتر چکا تھا۔ حضورؐ نے اُنہیں عطا کیا۔ غرض تبلیغِ اسلام کا وعدہ کرکے یہ چھوٹا سا پاک قافلہ شاداں و فرحاں مدینہ پہنچا۔ اور یثرب کے گلی کوچوں میں دین کی دولت چُپکے چُپکے تقسیم ہونے لگی۔ اِدھر مکّہ میں قریش کے کفر کی آندھیاں اور تیز ہوگئیں۔ گرد و پیش بدستور تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ تاہم آں حضرتؐ کی نظر مدینہ کی طرف لگی رہی۔ کہ شاید یہیں سے روشنی کی باطل پاش کرن نکلے۔ ایک سال یونہی بیم و رجا میں گزر گیا۔ لیکن یثرب سے کوئی خوشخبری نہ آئی۔ اب پھر حج کا موقعہ آیا۔ تو آپ بصد شوق اس نو وارد قافلے میں جا کر ان ...ھ نورِ ایمان پانے والوں کو ڈھونڈنے لگے۔ اِدھر مدینہ سے بارہ اشخاص کا مختصر قافلہ حضورؐ کی زیارت کے لئے مکّہ پہنچ چکا تھا۔

اور تلاش میں سرگرداں تھا۔ خدا کی مہربانی سے یہ چاند اور ستارے عقبہ کے مقام پر اتفاقاً جمع ہو گئے۔ اور وہیں اس ماہتاب کے گرد حلقہ بنا کر بیٹھ گئے۔ ان میں پانچ تو پہلے سے اسلام قبول کر چکے تھے۔ اور سات نو مسلم۔ سب نے آنحضرتؐ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اور اقرار کیا۔ کہ (۱) ہم خدائے واحد کی عبادت کریں گے۔ اور کسی کو اُس کا شریک نہ بنائیں گے (۲) چوری اور زنا کے پاس نہ پھٹکیں گے۔ (۳) اپنی لڑکیوں کو قتل نہ کریں گے (۴) کسی پر جھوٹی تہمت نہ لگائیں گے (۵) چغل خوری سے باز رہیں گے (۶) ہر اچھی بات میں نبیؐ کی اطاعت کریں گے۔ یہ بیعت بیعتِ عقبۂ اولیٰ کے نام سے مشہور ہے۔ یہ بعثتِ نبوی کا بارھواں سال ہے۔ ان مسلمانوں کی درخواست پر حضورؐ نے مصعبؓ بن عمیر کو مبلغ بنا کر مدینہ بھیجا۔ تاکہ اسلام کے احکام کو یثرب میں عام کریں۔ مصعبؓ بن عمیر علم کے دریا، حلم میں یکتا تھے۔ اس نرم مزاج اور شیریں مقال کی باتیں دلوں میں چُپکے چُپکے گھر کرنے لگیں۔ اور دیکھتے دیکھتے مدینہ میں گھر گھر چرچا ہو گیا۔ جو لوگ تیغ و سناں سے مفتوح نہ ہو سکتے تھے۔ اُن کے دل میٹھی باتوں سے مسخر ہو گئے۔ اسعد بن زرارہ کا مکان تبلیغ کا مرکز تھا۔ لوگ یہاں مخالفت کے لئے آتے۔

مگر موافق بن کر جاتے۔ مدینہ کی ایمان پرور اور کفر سوز زمین ایک سال
میں اسلام کا گہوارہ بن گئی۔ اگلے سال دینِ پاک کا یہ کامیاب مبلّغ
تہتّر مرد اور دو عورتوں کا قافلہ لے کر حج کے موقع پر مکّہ پہنچا۔ تاکہ
حضورؐ کو اسلام کی ترقی کی خوشخبری بھی سُنائے۔ اور آپ کے دیدار
سے نورِ ایمان کو تازہ بھی کرے۔ یہ پچھتّر مرد و زن اپنے باقی بُت پرست
ساتھی قافلہ والوں سے الگ ہو کر مقامِ عقبہ پر آئے۔ آنحضرتؐ
کو اُن کے آنے کی اطلاع پہلے ہو چکی تھی۔ چنانچہ حضورؐ قریش سے
چھپ چھپا کر حضرتِ عباسؓ کے ہمراہ عقبہ (منیٰ) پہنچے۔ ان سب نے
اس خواہش کا اظہار کیا۔ کہ حضورؐ اپنے قدوم میمنت لزوم سے
سرزمینِ مدینہ کو فخر بخش کر ہمیں سرفراز فرمائیں۔ سرکارِ دو عالمؐ نے
منظور فرما لیا۔ حضرت عباسؓ جو ابھی تک ایمان نہ لائے تھے۔ مگر
دل سے ہمدرد تھے۔ اس موقع پر کھڑے ہوئے اور تقریر کی کہ
اے گروہِ خزرج محمدؐ اپنے خاندان میں معزّز اور محترم ہیں۔ دشمنوں
کے مقابلہ میں ہم ہمیشہ ان کے لئے سینہ سپر رہے۔ اب وہ تمہارے
پاس جا رہے ہیں۔ اگر مرتے دم تک ان کا ساتھ دے سکو تو
بہتر، ورنہ ابھی جواب دے دو۔ براءؓ نے یہ تقریر سُن کر کہا۔ اے
عباسؓ ہم نے تیری بات سُنی۔ تو ہماری بھی یاد رکھ۔ کہ ہم نے

تلواروں کی گود میں پرورش پائی ہے۔ ابوالہیثم نے بات کاٹ کر کہا۔ کہ یارسول اللہ ایسا نہ ہو کہ جب آپ کو اقتدار حاصل ہو تو آپ ہمیں چھوڑ کر وطن چلے آئیں۔ یہود کے ساتھ جو اس وقت تک خوشگوار تعلقات ہیں وہ بھی اس بیعت کے بعد ٹوٹ جائینگے۔ حضورؐ نے مُسکرا کر فرمایا۔ نہیں تمہارا خون میرا خون ہے۔ تم میرے ہو اور مَیں تمہارا۔ حضورؐ کے ارشادات عالیہ سُن کر سب نے بیعت شروع کی۔ عباسؓ بن عبادہ انصاری نے پُکار کر کہا۔ صاحبو خبردار رہو کہ تم کس چیز پر بیعت کر رہے ہو۔ یہ عرب و عجم، جن و انس کے ساتھ اعلان جنگ ہے۔ سب نے باواز بلند کہا کہ ہاں ہم خطرات کو سمجھ کر بیعت کر رہے ہیں۔

مکّہ کے شریف اور مدینہ کے ان نجیب لوگوں میں جو پیمانِ وفا بندھا۔ وہ پیمانۂ عمر لبریز ہونے تک نہ ٹوٹا۔ ایک وقت وہ تھا جب زمین پر سروں کی بارش ہوتی تھی۔ اعضا کٹ کٹ کر فرشِ خاک پر گرتے تھے۔ اور خون کے چھینٹے اُڑتے تھے۔ پھر وہ وقت آیا۔ جب فتح کے دروازے کُھل گئے۔ اور اقبال نے آکر اسلام کا قدم چُوما۔ مصیبت اور اقتدار دونوں حال میں یہ عہد استوار رہا۔ آنحضرتؐ نے ان سابقین میں سے حسبِ ذیل بارہ سردار مقرر فرمائے تاکہ مسلمانو

ہیں نیکی کا چرچا رکھیں۔ اور لوگوں کو برائی سے روکیں۔

| | |
|---|---|
| ۱۔ اسید بن حضیرؓ | جنگِ بعاث میں شہید ہوئے۔ ان ہی کے باپ قبیلۂ اوس کے سردار تھے۔ |
| ۲۔ ابوالہیثم بن تیہانؓ | |
| ۳۔ سعد بن خثیمہؓ | جنگِ بدر میں شہید ہوئے۔ |
| ۴۔ اسعد بن زرارہؓ | ان کا ذکر آچکا ہے۔ یہ امام نماز تھے۔ |
| ۵۔ سعد بن الربیعؓ | جنگِ احد میں شہید ہوئے۔ |
| ۶۔ عبداللہ بن رواحہؓ | مشہور شاعر ہیں۔ جنگ موتہ میں شہید ہوئے۔ |
| ۷۔ سعد بن عبادہؓ | معزز اور مشہور صحابی تھے۔ سقیفہ بنی ساعدہ میں انہی نے پہلے خلافت کا دعوے کیا تھا۔ |
| ۸۔ منذر بن عمروؓ | بئر معونہ میں شہید ہوئے۔ |
| ۹۔ براء بن معرورؓ | بیعت عقبہ میں انہی نے انصار کی طرف سے تقریر کی تھی۔ آنحضرت صلعم کی ہجرت سے پہلے انتقال کر گئے۔ |

۱۰- عبد اللہ بن عمرؓ — جنگِ اُحد میں شہید ہوئے۔

۱۱- عبادہ بن الصامتؓ — مشہور صحابی ہیں۔ ان سے کئی حدیثیں مروی ہیں۔

۱۲- رافع بن مالکؓ — جنگِ احد میں شہید ہوئے۔

حضورؐ نے اہلِ مکہ کی ایذا رسانی کے اندیشہ سے مسلمانوں کو نقل مکانی کا حکم دے دیا۔ مومنین نے گھر بار کی پروا نہ کی۔ صرف دولتِ ایمان کو لے کر مدینہ پہنچے۔ مدینہ کے انصار نے باوجود تنگدستی کے مہاجرین کی آؤ بھگت میں وہ کشادہ دلی دکھائی جس کی مثال دُنیا میں موجود نہیں۔ غریبانہ جھونپڑے انصار کے حُسنِ اخلاق کی وجہ سے مہاجرین کے لئے شاہی محلّات سے زیادہ آرام دہ ثابت ہوئے۔ آہستہ آہستہ سب قافلہ خطرے کے مقام سے نکل کر دارالامان میں پہنچ گیا۔ ہاں سالارِ قافلہ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت علیؓ کے ساتھ دشمنوں کے نرغے میں ہی رہا۔ کیونکہ احکم الحاکمین کے حکم کا انتظار تھا۔

# واقعۂ معراج

کارِ خیر میں سعیِ ناکام جب کمرِ ہمّت کو توڑ دے۔ اور ناکامیوں

کا غم دل کی عمارت کو ڈھا دے۔ تو رحمتِ حق بہار دکھاتی ہے۔ اور اچانک قلبِ حزیں میں مسرت کی لہر دوڑ جاتی ہے۔ اس کی بندہ نوازیاں انسان کو فرش سے اُٹھا کر عرش پر لے جاتی ہیں۔ جہاں قسامِ ازل سے مے محبت باندازہ جام دیتا ہے۔ چشم فلک نے عبداللہ کے بیٹے بی بی آمنہ کے جائے کا سا عالی ظرف کب دیکھا تھا۔ حوضِ کوثر بھی جس کے جامِ سفالیں کا ایک کونہ ہے۔ طائف کے ہمت شکن سانحہ کے چند روز بعد خدا کا رسول دل گرفتہ ہو کر فرشِ حرم پر لیٹ گیا۔ رحمتِ حق نے خاک سے اُٹھا کر افلاک تک پہنچا دیا۔ کیونکہ دُنیا و دین کی سربلندیاں ان خاکساروں کے لئے ہیں۔ فخر و غرور جن کی فطرتِ سعید کو چھو نہ گیا ہو۔ اللہ کی راہ میں جان جوکھوں میں ڈالنے والا رسولؐ چشم زدن میں عرش پر پہنچا ہفت افلاک کے سفر کی داستان طویل اور تشریح طلب ہے لیکن جب تک راہِ حق میں سعی و عمل کی ناکامیاں شیشۂ دل کو چُور چُور نہ کر دیں۔ اس رفعت کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ جس کا نام معراج ہے۔

# مدینہ

مدینہ اِس زمانے میں شیطان کی دسترس سے دور نیک انسانوں کی ایک محفوظ بستی تھی۔ یہاں کے اکثر باشندے وہ پیکرانِ صدق و صفا تھے۔ جو دنیوی آلائشوں سے بالکل پاک تھے۔ اور شہرت پسندی جن کو چھُو تک نہ گئی تھی۔ ذلیل فطرت کے پست احساسات تو کہاں، جاہ طلبی کی معصوم سی معصوم اُمنگ بھی اُن میں نہ تھی۔ اُن کی آنکھیں حیا کی خالق اور زبانِ خُلق کی پروردگار تھی۔ اُن کے ایثارِ نفس کو کوئی اسلوبِ تحریر اور اندازِ بیان پُورا پُورا ظاہر نہیں کرسکتا۔ انسانوں کا تو کیا ذکر۔ وہاں کی خاک کے ذرّے مہمانوں اور مسافروں کو دیکھ کر مُسکرانے لگتے تھے۔ وہاں کی ہوا بھی پاسِ عصمت کا اہتمام کرتی پھرتی تھی۔ ہجرت کے قبل آنحضرتؐ کو خواب میں دار الہجرت کا نظارہ کرایا گیا تھا۔ گویا اِک باغِ پُربہار نگاہوں کے سامنے پیدا اور ہویدا ہے۔ یہ اشارہ مدینہ کے دینی گلزار اور اُس کی روحانی بہار کی طرف تھا۔ دُنیا میں اس وقت یہی ایک بستی تھی جو کچھ کچھ نیکی کی فضا میں سانس لیتی

تھی۔ سعید رُوحیں اب تک بھی فراغت حج کے بعد اسی کی پاکیزہ ہواؤں سے فیض یاب ہونے کے لئے جاتی ہیں۔ جہاں برکتیں اب بھی شبنم کی طرح برستی ہیں۔ اسلام لانے سے پہلے مدینہ کے لوگوں کے اندر اخذِ خیر کی قوتیں کلی کی طرح بند تھیں، دینِ مبین کی قبولیّت کے بعد گویا وہاں فصلِ گل آ گئی۔ نیکیاں چمنستانِ مدینہ سے اٹھ کر نکہتِ جنّت کی طرح عالم میں پھیل گئیں۔ جب یہ جہانِ خوبی یعنی مدینہ آنحضرتؐ کو خواب میں رنگ و بو کی تمثیل میں دکھایا گیا۔ تو حضورؐ مثل کو اصل سمجھ کر مدت تک یمامہ کے شہر کو مقام ہجرت تصوّر کرتے رہے۔ مگر یہ سعادت اور شرف بجز مدینہ کے کسی کو کب حاصل ہو سکتا تھا۔ اسی گلکدہ میں اُس گُلِ خوبی سروِ باغِ محبوبی محمد صلی اللہ علیہ وسلّم کو آسودہ خاک ہونا تھا۔ اِس لئے مشیت نے ازل سے ہی یہ شرف مدینہ کے لئے مخصوص رکھا تھا۔ ہر چند یمامہ برگ و بار، فصل و اشجار کے لحاظ سے شاداب تھا۔ مگر مدینہ کی رُوحانی رعنائی اور اخلاقی زیبائی کے مقابلہ میں دنیا کے گل و گلزار کیا حقیقت رکھتے ہیں۔

قریش نے مسلمانوں کو ہجرت سے روکنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔ انہیں سخت اذیتیں دیں۔ مگر مسلمانوں کے لئے پیغمبر

کے حکم سے سرتابی خلد کی پاکیزہ ہواؤں سے دوری کے مترادف تھی۔ بعض کے بیوی بچے چھین لئے گئے۔ بعض کے مال و املاک ضبط ہوئے۔ مگر ایمان کی دولت اور حق کی آواز ضبط نہ ہوسکی۔ مسلمان جو اس دار و گیر اور ضبطی و قرقی سے بے پروا تھے مدینہ پہنچے۔ اب آنحضرتؐ تھے یا حضرت ابوبکرؓ اور علیؓ۔ حضورؐ خدا کے حکم کے منتظر اور یہ دونوں نبیؐ کے حکم کے پابند بیٹھے تھے۔ قریش کے لئے مذہب کی خدمت کے ساتھ عزیزوں کی مفارقت ایسے ناسور تھے۔ جن کی سوزش اُن کے لئے ناقابل برداشت تھی۔ پھر بھی اندیشہ تھا کہ مبادا اقبال اسلام کی یاوری کرے۔ تو اُن کے لئے دُنیا تنگ ہوجائے۔ چنانچہ اُنہوں نے ایک فیصلہ کن مجلس مشاورت طلب کی۔ تاکہ اس سرچشمۂ خیر و برکت کو ہمیشہ کے لئے بند کردیا جائے۔ لیکن حرب فجار کا تلخ تجربہ خونریزی کے ہر فیصلے پر اُن کو لرزاں کردیتا تھا۔ قبائل کی باہمی جنگ کے خوف کو وہ دل سے دُور نہ کرسکتے تھے۔ ندوہ میں قریش کے جملہ سردار یعنی نرم گرم دونوں فریق جمع تھے۔ نرم مزاج مخالفوں نے قید اور جلاوطنی کا مشورہ دیا۔ گرم طبیعت دشمن سر دھڑ کی بازی سے کم کسی چیز کو پسند نہ کرتے تھے۔ سب نے بہت سر مارا۔ مگر خدا پرستی کے جرم کی کوئی موزوں

سزا ذہن میں نہ آئی۔ بالآخر بڑی دماغ سوزی کے بعد دشمنِ دین ابوجہل کے کان میں شیطان نے یہ تجویز پھونکی۔ کہ ہر قبیلہ سے ایک ایک شخص منتخب کر کے سب یکبار محمد صلعم پر ٹوٹ پڑو اور تکا بوٹی کر دو۔ اُس کے اقربا جب سرداروں کی تلواروں کو خون سے رنگین دیکھیں گے تو دم نہ ماریں گے۔ اس تجویز پر جہنّم کے سب چھوٹے بڑے شیطانوں نے واہ وا کی۔ فیصلہ ہوا کہ شام ہی کفر کی تاریکی ایمان کی تنویر کو گھیر لے۔ ہاں عربی شرافت کے پیشِ نظر صرف یہ احتیاط کی جائے کہ حملہ آور زنانہ میں داخل نہ ہوں بلکہ آستانہ مبارک کے باہر گھات میں لگے رہیں۔ جونہی حضورؐ صبح گھر سے نکلیں سب تلواریں سونت کر جا پڑیں۔

اس چنڈال چوکڑی کے منصوبوں سے پہلے پروردگارِ عالم کی طرف سے سرورِ کائنات کو ہجرت کا حکم مل چکا تھا۔ چنانچہ ہجرت کے دو روز پہلے یہ حکم پا کر نبیوں کا سردار لوگوں کی نگاہوں سے ڈرتا بچتا دوپہر کے موزوں وقت صدیقِ اکبرؓ کے گھر پہنچا۔ اسلام کے دستور کے مطابق دروازہ پر دستک دے کر اندر آنے کی اجازت مانگی۔ حضرت ابوبکرؓ نے دروازہ کھولا۔ آنحضرتؐ صدیقؓ کے گھر میں چپکے سے داخل ہو گئے۔ اور مشورہ کے لئے

تخلیہ چاہا۔ اس وقت حضرت عائشہؓ ہی گھر میں موجود تھیں جن کی شادی ہو چکی تھی حضرت ابوبکرؓ نے کہا کہ اس گھر میں آپ کی اہلیہ کے سوا کوئی نہیں حضورؐ نے بیٹھتے ہی نوید ہجرت سُنائی معلوم ہوتا ہے صدیقِ اکبرؓ ایک مُدّت سے ہجرت میں آنحضرتؐ کی ہمراہی کے شرف کی آرزو کو دل میں پرورش کر رہے تھے۔ اُن کی مضطربانہ دُعائیں اسی دن کی سعادت کے لئے وقف تھیں جونہی ہجرت کا حکم سُنا بیتابانہ پوچھا۔ میرے ماں باپ آپ پر فدا، کیا ہمراہی کا شرف مجھ کو بھی بخشا جائیگا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا، ہاں حضرت ابوبکرؓ کا نخلِ آرزو بار آور ہوا۔ اور دل خوشی سے بلیوں اُچھلنے لگا۔ پیغمبرؐ کی ہمراہی مومنین کی معراج ہے۔ اس لئے اس شرفِ سعادت پر امیر المومنین فرطِ انبساط سے رو دیئے اس دورِ ابتلا میں حضورؐ کی ہمرکابی کچھ سیر و تماشا نہ تھا۔ ایک بڑی جانبازی کا کام تھا۔ ہاں مجذوبانِ عشقِ محمد صلعم کے لئے راہ کے کانٹے پھول اور میدانِ امتحان تفریح گاہ ہو چکے تھے۔ اس لئے منزل کے خطرات سے بے پروا محب کی آنکھوں کے سامنے محبوب کی ہمراہی کے بے پایاں فخر اور اپنے ستارۂ اقبال کے یوں چمک اُٹھنے پر بجز آنسوؤں کے تشکر اور امتنان کے اظہار کا اور کیا ذریعہ ہو سکتا تھا جو مصیبت اپنے پیغمبر کی ہمراہی میں آئے شمع رسالت کے پروانوں کے لئے کتنی اطمینان بخش ہو گی۔ اس کی کیفیت کسی سے نہ پوچھو۔ بلکہ خود ہی اندازہ کر لو۔ حضرت ابوبکرؓ نے نہایت عجز سے عرض کیا کہ اس مُبارک

دن کے لئے ببول کی پتّیاں کھلا کر میں نے دو اونٹنیاں پال رکھی ہیں۔ ان میں سے ایک کو پسند فرما کر میری عزّت افزائی فرمائیں۔ آنحضرتؐ نے ایک کی قیمت ادا کر دی۔ حضرت ابوبکرؓ نے پاسِ ادب سے قیمت قبول کر لی۔ آنحضرتؐ انتظامِ سفر کر کے واپس چلے آئے۔ ہر چند دار الندوہ کی شیطانی محفل اور وہاں کی ناپاک سازش کا حال صیغۂ راز میں رکھا گیا تھا۔ مگر حضورؐ پر اشارۂ ربانی سے سب کچھ منکشف ہو گیا۔ اور آنحضرتؐ نے راتوں رات مکّہ سے نکل جانے کا حکم پایا۔ حضرت علیؓ کو طلب کر کے فرمایا۔ علیؓ ہمیں ہجرت کا حکم آ گیا ہے۔ تم میرے بستر پر میری چادر اوڑھ کر سو جانا، اور صبح کو سب کی امانتیں واپس کر کے چلے آنا۔ سیّد لولاکؐ کی سیرتِ پاک کو دیکھو جانی دشمن بھی یہاں تک آپ کی امانت، اور دیانت کے قائل تھے۔ کہ مکّہ بھر کی امانتیں اسی امین کے سپرد کرتے تھے۔ آج کی رات آنحضرتؐ کے بستر پر سونا موت کے مُنہ میں جانا تھا۔ مگر علیؓ موت سے کب ڈرتے تھے۔ باوجود اس خطرے کے علم کے جناب امیرؓ حضورؐ کے پلنگ پر بے کھٹکے سو گئے۔ ادھر کمبخت پیٹے سے ہی دشمن گھات میں آ بیٹھے تھے۔ آنحضرتؐ آدھی رات کو اللہ کا نام لے کر باہر نکلے۔ حضورؐ کی موت کے خواہاں خود موت کی چھوٹی

ماں کی آغوش میں پڑے اونگھ رہے تھے۔ آنحضرتؐ سورہ یٰسین
تلاوت فرماتے بغیر مزاحمت کے نکل کر حضرت ابو بکرؓ کے گھر جا پہنچے۔
جناب امیرؓ آنحضرتؐ کے پلنگ پر اس طرح پڑے رہے تھے۔ گویا
کوئی عالی قدر شہزادہ محفوظ محل میں نرم بستر پر آسودۂ خواب ہو۔
اور کسی شیریں خواب کے پر بہار نظارہ نے اس کے دماغ کو
رشکِ صد گلزار بنا رکھا ہو۔ ساری رات دین کے دشمن کمین گاہ
سے نکل نکل اور دیدے پھاڑ پھاڑ کر آنحضرتؐ کے پلنگ کو دیکھتے
رہے جناب امیرؓ کو آنحضرتؐ کی جگہ پا کر اطمینان کر لیتے۔ آخر
پیغمبرؐ پاکؐ کے بستر پہ جوانی کی نیند لیتے حضرت علیؓ کو صبح ہو گئی
تو ظالموں نے آ پکڑا۔ آنحضرتؐ کی بجائے امیرؓ کو پا کر بہت
سٹ پٹائے۔ اور ماتھا کوٹنے لگے۔ حرم میں لے جا کر حضرت
علیؓ کو محبوس کر رکھا۔ کسی نے کہا کہ تم اس شغل کو چھوڑ کر اصل
شکار کو دیکھو۔ دوڑ دھوپ کرو۔ ابھی بہت دور نہ گیا ہوگا۔

دیکھو تعاقب کے خوف سے آنحضرتؐ اور حضرت ابوبکرؓ راتوں رات مکّہ چھوڑ کر جا رہے ہیں۔ اہلِ وطن کے ہاتھوں بے وطن ہو جانے کے حسرت زا منظر کو تصوّر میں لاؤ۔ اور دیس چھوڑ پردیس جانے والوں کی کیفیّت قلب کا اندازہ کرو۔ پیارے نبیؐ کو وطنِ عزیز خلدِ بریں کے پُربہار گلزار کی طرح نظر آتا تھا۔ جس خاکِ پاک کے آغوش میں پل کر جوان ہوئے۔ وہ عالمِ افلاک سے بہتر دُنیا اب چُھٹی جا رہی ہے۔ اس بچھڑنے والے دیار کے کوچہ و بازار کا تصوّر آ رہا ہے۔ سینہ میں ایک آگ سی لگی جاتی ہے۔ محبوب ملک کی پاکیزہ ہوائیں، کوہ و صحرا کی فضائیں آنکھوں میں پھرتی ہیں۔ صبر و رضا کے اس مجسمہ نے ہجرت کے وقت حسرت بھری نگاہوں سے مکّہ کی طرف دیکھا۔ دل میں ایک ہوک سی اُٹھی۔ آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ بھرّائی ہوئی آواز میں کہا۔ کہ مکّہ! تو مجھ کو تمام دُنیا سے عزیز ہے۔ لیکن تیرے فرزند مجھے رہنے نہیں دیتے۔

کم گو پیغمبر کے یہ مختصر الفاظ وطن کی غیر محدود محبّت کے حامل ہیں۔

یہ چھوٹا سا فقرہ سینے میں ہزار حسرتوں کا مظہر ہے۔ وطن سے چھٹ کر حسرت سے آنسو بہانا کمزوری کی علامت نہیں۔ بلکہ شریف دل میں لطیف جذبات کی شہادت ہے۔ حضورؐ کے حسرت بھرے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ آپ کے پیش نظر کتنا عظیم الشان مقصد تھا۔ ورنہ کون اپنے اہل و دیار کے باغ و بہار چھوڑ کر غریب الوطنی کی خلش خار سے تلووں کو فگار کرنے نکلتا ہے۔ ہاں جو ہمت کر کے آمادۂ ہجرت ہوتا ہے۔ وہ مقاصد و مطالب کو پہنچ جاتا ہے۔ تم نے شاید ہی کسی ایسے شخص کا ذکر سنا ہو گا۔ جو مصیبتوں سے نجات پانے کے لئے وطن سے نکلا ہو۔ اور اُسے چھٹکارا نہ حاصل ہوا ہو۔ آنحضرتؐ کا اِس کس مپرسی کے عالم میں دیس سے پردیس جانا۔ پھر عزت و اقتدار سے چند برس کے بعد واپس آنا۔ اس امر کے شاہد عادل ہیں کہ حرکت میں برکت ہے۔ اور ہجرت سے سرداری ملتی ہے۔

غرض یہ آفتاب و ماہتاب گھروں سے نکل کر بنا بر احتیاط جبلِ ثور کے غار میں جا چھپے۔ تاکہ لوگ جب تلاش سے تھک کر واپس چلے جائیں تو منزلِ مقصود کو چل دیں۔ یہ غار مکہ سے تین میل داہنی جانب واقع ہے۔ صدیق اکبرؓ کے بیٹے عبداللہ دن بھر کی نقل و حرکت کی دیکھ بھال کر کے رات کو آ کر حضورؐ کو اطلاع دیتے تھے۔

حضرت ابو بکرؓ کی بڑی بیٹی اسمأؓ گھر سے کھانا لایا کرتی تھیں۔ اور یارِ غار کا غلام شام کے بعد بکریاں چراتے چراتے وہاں آنکلتا۔ دونوں کو دودھ پلاتا۔ اور بکریوں کے نقشِ پا سے حضرت اسما کے قدموں کے نشان بھی مٹاتا چلا آتا۔ اِدھر اہلِ مکّہ کی سُنو۔ وُہ آنحضرتؐ کے نقشِ پا کے سراغ پہ پہلے حضرت ابو بکرؓ کے گھر پُہنچے۔ اُبو جہل نے حضرت اسماءؓ سے دریافت کیا۔ کہ لڑکی تیرا باپ کہاں ہے۔ حضرت اسماءؓ نے لاعلمی ظاہر کی۔ ابو جہل نے اُن کے مُنہ پر اِس زور سے طمانچہ مارا کہ کان کی بالی زمین پر گر گئی۔ یہاں سے سُراغ لگاتے لگاتے وہ غار کے قریب پہنچ گئے۔ اُن کے پاؤں کی آہٹ پاکر یارِ غار کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی۔ گھبرا کر کہا۔ حضورؐ دشمن سر پر آپہنچا۔ صدیق اکبرؓ سرتاپا اضطراب تھے۔ اور مخبرِ صادق ہمہ تن اطمینان، جب ابو بکرؓ کا اضطراب زیادہ بڑھا ہوا پایا۔

تو محبوب نے محب سے فرمایا :-

لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا غم نہ کر اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

اس خوف کے وقت پر یہ اطمینانِ صرف نبیوں کا شیوہ ہوتا ہے۔ بہادری اور چیز ہے۔ صبر و رضا کی راہ دوسری مضطربانہ مقابلہ بہادری ہے۔ خطرے میں اطمینانِ قلب کسی اور کیفیت کی طرف

اشارہ ہے۔

رسولِ خداؐ اور صدیقِ اکبرؓ کو اللہ پر بھروسہ تھا۔ وہ دونوں اسی بھروسے کے سہارے خاموش بیٹھے رہے۔ بچانے والے کے ڈھنگ نیارے ہیں۔ دشمن ادھر اُدھر دیکھ بھال کر چلے گئے۔ غار کی تنگی اور تاریکی کی وجہ سے پناہ گزینوں کا کسی کو گمان نہ گزرا۔ چوتھے روز نورِ وحدت سے جھلملانے والے ستارے غار کی تاریکیوں سے نکلے۔ بی بی اسماءؓ کھانا لے کر پہنچ گئیں۔ حضرت ابوبکرؓ کا غلام اُونٹنیاں لے کر آ حاضر ہوا۔ دونوں مُبارک سوار سُبک رفتار اونٹنیوں پر چڑھ بیٹھے۔ اچانک بی بی اسماء کو خیال آیا۔ کہ توشہ دان کے منہ باندھنے کا تسمہ تو گھر میں ہی بھول آئی ہوں۔ جھٹ کمر بند کو پھاڑ کر توشہ دان کجاوے سے باندھا۔ آنحضرتؐ بی بی اسماءؓ کی اس بات سے بہت خوش ہوئے۔ اور انہیں ذات النطاقین (دو کمر بندوں والی) کا لقب دیا۔

دل سے آواز اُٹھی اے دو کمر بند والی بی بی تیرا یہ خطاب دو جہان کا شرف ہے۔ دُنیا کی دولت کے سارے خزانے اس شرف کو حاصل کرنے کے لئے ناکافی۔ پھر دل سے ہی اس کا جواب سُنا کہ صحابیہ کے شرف کو رشک کی نظر سے دیکھنے والے صرف نبوّت

کا دروازہ ہی بند ہوا ہے۔ لیکن اُمّت کے لئے شرف و عزت کے بہت سے اور ابواب کھل گئے ہیں نیکی کا رشک بھی بیشک ایک نیکی ہے مگر خیال کی دُنیا سے نکل کر عمل کی جنت میں داخل ہو۔ قرونِ اُولیٰ کے مسلمانوں کے رشک میں بیٹھ نہ رہ کیجئے اور دُنیا کی جدد جہد میں مصروف ہو کر اپنے دین کو روشن کر۔ زندگی میں خدا کا نام بلند کرنے کی سعی جاری رکھ۔ کیا عجب کہ موت کے بعد خدا اور رسولؐ کی طرف سے تو کسی بڑے سے بڑے قابلِ فخر خطاب اور القاب سے نوازا جائے۔

دیکھو مدینہ کی طرف دو سانڈنی سوار جا رہے ہیں۔ ان کی صورتیں شمع کی طرح جگمگا رہی ہیں۔ آفتاب کی تمازت سے کوئی کہدے کہ اتنی تیزی نہ دکھائے۔ کیونکہ سردارِ انبیاءؐ اور امیر المومنینؓ جا رہے ہیں۔ غبارِ راہ کو کہو کہ اڑ کر ضائع نہ ہو جائے۔ آنے والی نسلوں میں کروڑوں مسلمانوں کی آنکھیں اسے سرمہ بنانے کے لئے ڈھونڈیں گی، مگر آفتاب اور غبار نے نہ صرف ان خواہشوں کی تکمیل سے انکار کیا۔ بلکہ بیش از بیش شدّت اختیار کی۔ آخر دونوں سوار گرد و غبار اور تمازت آفتاب سے مجبور ہو کر ایک سایہ کو دیکھکر رُک گئے۔ یارِ غار نے سواری سے اُتر کر زمین صاف کی۔ اور چادر

بچھائی۔ آنحضرتؐ ذرا سستانے کے لئے بیٹھ گئے۔ صدیق اکبرؓ
تلاش کر کے ایک چرواہے سے تازہ دودھ دوہ کر لائے۔ تھوڑا سا
ٹھنڈا پانی ملا کر حضورؐ کی نذر کیا۔ آنحضرتؐ نے اس سایہ میں قدرے
آرام پایا۔

دل نے حفظِ مراتب سے بے پروا عناصر پر ہزار افسوس
کیا۔ مگر اُن سے ایک جواب پایا۔ کہ اسے شرفِ انسانی کی حقیقت
سے ناواقف شخص کیا کہتا ہے۔ دُنیا و آخرت میں صرف وہی سربلند
ہے۔ جو عناصر کی ستم آرائیوں کا بہادرانہ مقابلہ کرتا ہے۔ آرام طلب
اور راحت جُو لوگوں کے لئے دُنیا اور آخرت دونوں ہی بنجر ہے۔
نہ یہاں کاشت نہ وہاں برداشت۔

جب آنحضرتؐ کی تلاش میں ناکامی ہوئی۔ تو قریش نے ذاتِ
گرامی کی گرفتاری کے لئے ایک انعامی اشتہار جاری کیا۔ جو حضورؐ
کو پکڑ لائے گا۔ وُہ ایک سو اُونٹ انعام پائے گا۔ بہت سے
بیکار اس اشتہار کو دیکھ کر قسمت آزمائی کے لئے نکلے۔ ان میں سراقہ
بن جعشم بھی تھا۔ یہ غار سے عین روانگی کے وقت پہنچا۔ اور بے تابانہ
پیچھے لپکا۔ خدا کی حکمت کہ وہ جونہی قریب آیا گھوڑے نے سکندری
کھائی۔ سوار خود فرشِ راہ ہو گیا۔ تاہم سنبھلا اور ترکش سے فال کے

تیر نکالے قیمت سے نفی کا جواب پایا۔ انعام کی اُمید پر تقدیر سے لڑ جانے والا عرب مایوس نہ ہوا۔ پھر باگیں اُٹھائیں۔ اب کے گھوڑا دلدل میں پھنس گیا۔ دل میں ڈرا کہ میں تو خدا کی قید میں پھنس گیا۔ پھر فال دیکھی۔ مگر جواب خلافِ امید پایا۔ سمجھا کہ یہ تو کچھ اور آثار ہیں۔ چنانچہ نہایت عاجزی سے سرکارِ دو عالم کو آواز دی۔ اور امان کی تحریر مانگی۔ حضورؐ نے درخواست قبول فرمائی حضرت ابوبکرؓ کے خادم عامر ابن فہیرہ نے جو ہمراہ تھا۔ چمڑے کے ٹکڑے پر امن کا فرمان لکھ دیا۔ ساتھ ہی حضورؐ نے فرمایا۔ کہ اے سراقہ میں تو تیرے ہاتھ میں کسریٰ کے کنگن دیکھتا ہوں۔ اس وقت تو سراقہ نے شاید اس بات کو خوش خیالی یا حوصلہ افزائی سمجھا ہو۔ مگر اس کی زندگی یعنی حضرت عمرؓ کے عہد میں ایران فتح ہو گیا۔ غنیمت میں سونے کے دو قیمتی کنگن آئے۔ آقا کی پیشینگوئی غلاموں کو یاد تھی۔ حضرت عمرؓ نے سراقہ کو جو مسلمان ہو چکے تھے۔ بلا کر وہ کنگن پہنائے۔ نبیؐ کی وہ بات جو کسی کے وہم و گمان میں نہ تھی آخر پوری ہوئی۔

سراقہ امن کی تحریر لے کر واپس ہوا۔ تو راہ میں جو ملا، اُسے یہ کہہ کر واپس کرتا گیا۔ کہ اس راستہ پر آنحضرتؐ نہیں گزرے چنانچہ

مدینہ کے یہ مقدس مسافر قدرے اطمینان سے لے کر انتہائی بے سروسامانی سے قطع منازل کرتے بڑھے۔ راستے میں حضرت زبیرؓ شام سے سامانِ تجارت لے کر آتے ہوئے ملے پاک پیغمبر اور نیک ساتھی کو اس پریشان حالی میں پایا۔ بیش قیمت کپڑے پیش کئے۔ جو اس عالمِ بے سروسامانی میں خوشی سے قبول کر لئے گئے۔ اس طرح آنحضرتؐ منزل بمنزل آٹھ دن میں سفر طے کر کے دارالامان مدینہ کے قریب پہنچے۔

# آمد آمد

حضورؐ کی آمد آمد کے ذکر اذکار سُن کر مدینہ میں خوشی کے گیت گائے جا رہے تھے۔ جوں جوں وہ راحت افزا گھڑی جس نے اہلِ شہر کے دلوں کو رشکِ صد گلزار بنا رکھا تھا۔ قریب آ رہی تھی۔ لوگوں کا والہانہ جوش بڑھتا چلا جاتا تھا جب آفتاب مدینہ کی پہاڑیوں پر سونا بکھیرتا ہوا طلوع ہوتا تو ہزاروں پیر و برنا اور خوش و خرم ہستیاں اپنی امیدوں کے مرکز کو دیکھنے کے لئے نکلتیں۔ جہاں ذرا سا غبار اٹھتا دل امید سے دھڑکنے لگتا۔ جمالِ محبوب کا جو نقشہ سُن سُن کر ذہن میں جما لیا تھا۔ اُس کی

بنا پر ہر راہرو کو دیکھ کر یہ "وہ" کہتے کہتے تھک جاتے تھے۔ جُوں جُوں سُورج چڑھتا جاتا تھا یہ کھوئے کھوئے پھرتے تھے۔ پہلے پہل تو دھوپ بھی مسرت خیز امید کی وجہ سے سنہری چاندنی معلوم ہوتی تھی۔ مگر حضورؐ کی آمد سے مایوس ہو کر دوپہر کو پھُول سے چہرے کملا جاتے تھے۔ اور بڑی ہی حسرت سے گھر واپس آجاتے تھے۔ ایک دن انتظار سے اسی طرح تھک کر لوگ گھروں کو واپس جا چکے تھے۔ اچانک ایک یہودی نے مدینہ کے بیرونی قلعہ سے مدینہ کے ان دو مقدس مسافروں کو دیکھا۔ اور قرائن سے پہچانا کہ یہ وہی سوار ہیں، چنانچہ اُس نے پکار کر کہا۔ اے گروہِ عرب، اے دوپہر کو آرام کرنے والو تمہاری خوش قسمتی کا ساماں تو یہ آپہنچا ہے۔ اس کی تیز آوازیں جو آسمان میں گونجیں شعر و موسیقی تو نہ تھی۔ مگر ایسی وجد آفرین ثابت ہوئی۔ کہ لوگ مست ہو کر گھروں سے نکلے۔ مردوں نے جلدی جلدی ہتھیار سجائے۔ عورتوں نے جوڑے بدلے۔ تمام گھروں سے تکبیر کی آوازیں بلند ہونے لگیں چہروں کی بشاشت اور لباس کی زنگارنگی سے مدینہ دم بھر میں موسم بہار کے طاؤس کی طرح خوشنما پر پھیلائے نظر آتا تھا۔

آنحضرتؐ نے بروز شنبہ مدینہ کی بالائی بستی قبا میں قیام فرمایا۔

یہاں انصار کے خاندان آباد تھے۔ حضورؐ نے کلثوم بن الہدم کو جو خاندان عمر بن عوف کا سردار تھا۔ اپنی مہمانی کا شرف بخشا۔ حضورؐ کی مہربانی سے تمام خاندان کا سر فخر سے بلند ہو گیا۔ جس گھر میں رسولِ خدا قدم رنجہ فرمائیں۔ اُس خاندان کے لوگ فخر نہ کریں تو کون کرے۔ وہ لوگ جوشِ مسرّت سے تکبیر کے نعرے لگاتے تھے اور اپنی خوش قسمتی پر خود قربان ہوئے جاتے تھے۔ تمام مہاجرین اور اکابر انصار یہیں آکر زیارت سے مشرف ہوئے۔ چند دن کے بعد جنابِ امیرؓ کو نتِ سفر سے چُور مگر شاداں و مسرور قبا میں حضورؐ سے آملے۔

# خُدا کا گھر

اس مجسّمۂ نماز و دُعا نے سب سے پہلے خداوندِ برتر و توانا کی عبادت کے لئے کلثوم کی افتادہ زمین پر مسجد کی بنیاد ڈالی۔ دیکھو سردارِ دو عالمؐ مزدوروں میں شامل ہیں۔ بھاری پتھروں سے کمر دوہری ہو رہی ہے۔ عقیدت مند لپک کر ہاتھ بٹانے کے لئے آتے ہیں۔ حضورؐ سب کو منع فرماتے ہیں۔ اگر کبھی پتھر کسی کے حوالے

کرتے بھی ہیں۔ تو دوسرا اُٹھا لیتے ہیں۔ عصرِ جدید کے مزدوروں کے سرمایہ دار حامیوں کو جا کہو کہ حمایتِ غربا کے زبانی دعووں سے درگذرو۔ آنحضرتؐ کی طرح قول و فعل میں مناسبت پیدا کر کے دکھاؤ۔ ایسے پاک مزدور کے پاؤں کی خاک کو کیوں سرمہ نہ بنائیں جس نے چودہ سو سال پہلے سرمایہ اور محنت کی موجودہ کشمکش کو بھانپ کر دولتمندوں پر زکوٰۃ کا ٹیکس لگایا۔ اور خود امیری پر فقیری کو ترجیح دی۔ باوجود بادشاہی کے غریبی میں بسر کی۔

سُنو! خانۂ خدا کے مبارک معمار کس طرح تھکن مٹانے کے لئے گاتے ہیں۔ واہ کیا پیارا گیت ہے۔ ہمارا معمار سردار ہر قافیہ کے ساتھ آواز ملا رہا ہے۔

| | |
|---|---|
| افلح من یعالج المساجدا | وہ کامیاب ہے جو مسجد تعمیر کرتا ہے |
| ویقرء القرآن قائماً وقاعدا | اور اُٹھتے بیٹھتے قرآن پڑھتا ہے۔ |
| ولا یبیت اللیل عنہ راقدا | اور رات کو جاگتا رہتا ہے۔ |

قوّتِ متخیلہ کو کام میں لا کر عقیدت بھری نظروں سے اس سماں کو دیکھو۔ کہ کس طرح ہزار در ہزار اور قطار اندر قطار قدسی عرش سے فرش تک پرے باندھے کھڑے ہیں۔ اور اس معمار پیغمبرؐ کی ہر حرکتِ قدم پر حسبنا اللہ کہتے ہیں۔ آسمان سے برکتیں

کس طرح مینہ کی طرح برستی ہیں۔

اے آسمان کے پاک فرشتو! ہمارے آقا کو ہمارا سلام عرض کردو۔ پاک نبیؐ کے تمام آداب ملحوظ رکھ کر بتاؤ۔ کہ سچّا مسلمان اب بھی دنیا کا اَن تھک مزدور ہے۔ اسے مانگنے سے عار ہے محنت سے عار نہیں۔ کام چور نہیں کہ مزدوری ملے تو کام میں تساہل کرے۔ جو مزدوری پوری پا کر کام سے جی چراتا ہے وہ ہم میں سے نہیں۔

اے خدا بھاری بھاری پتھر ڈھونے والے نبیؐ کی طرح ہم کو بھی نیکی کی عمارت کھڑی کرنے اور انسانیت کی تعمیر کا موقع بخش۔ دنیا کی بڑی بڑی ذمہ داریاں اٹھانے کی توفیق دے ہمیں تمام قوموں کی سرداری عطا کر۔ اور ہمیں اس قابل بنا کہ ہم تیری مخلوق کی بہتر سے بہتر خدمت سرانجام دے سکیں۔ اس طرح بنی نوع انسان کی خوشیوں میں اضافہ کرسکیں۔

حضورؐ کو قبا میں قیام فرمائے ہوئے چودہ دن ہو چکے ہیں۔ جمعہ کا روز ہے اسلامیوں کے سردار کا آج مدینہ میں داخلہ ہے۔ اس مبارک دن کی صبح کیا سہانی ہے۔ خوش قسمت انصار کے جوشِ مسرت کو دیکھو۔ کس طرح ہتھیار سجے لباس بدلے شاداں و فرحاں اِدھر اُدھر استقبال کے لئے دوڑے پھرتے ہیں۔ بچّے خوشی

سے پھول کی طرح ہنس رہے ہیں بچیاں کلی کی طرح مسکراتی ہیں۔
جانے سے جھپکنے والی آنکھیں دروازوں اور چھتوں پر انتظار میں کھڑی ہیں۔
ان کے لباس کی رنگا رنگی نے ہر چھت کو تختۂ گل بنا رکھا ہے۔
باغبانِ قدرت کے ہر گل بوٹے اپنے مہمانِ عزیز کی تشریف آوری
کی خوشی میں نہال ہو رہے ہیں۔ قبا سے مدینہ تک لوگ دو رویہ
کھڑے ہیں۔ قبا کی مسکراہٹ کو مسخر کرنے والے پیغمبر کا جب
پہلا قدم اٹھا ہوگا عقیدت مندوں نے کس طرح ہٹو بچو کیا ہوگا اگر
کوئی ہماری زندگیوں کی ساری رنگینیاں اور دلچسپیاں لے کر بھی آخری
نبی کی ہمرکابی کا موقع دے تو عمر بھر اس کے زیر بار احسان
سے گردن نہ اٹھے۔ ایسا موقع ہمارے لیے ممکن نہیں۔ اب تو
ان کے نقش قدم پر چلنے ہی کی توفیق مل جائے تو بہت بڑی
سعادت ہے۔ پیغمبر کی پیروی ہی سچی محبت اور صحیح عقیدت ہے۔
غرض سرورِ عالم جوش اور عقیدت کے اس ٹھاٹھیں مارتے
ہوئے دریا میں سے گذرے اور بنی سالم کے محلہ میں پہنچے۔
نمازِ جمعہ اسی جگہ ادا فرمائی۔ اور خطبہ ارشاد فرمایا۔ خدا کے انعامات
بے بہا کا شکریہ ادا کر کے اس جگہ سے روانہ ہوئے۔ جو جو محلہ
راہ میں پڑا۔ وہاں کے انصار کی تکتی آنکھوں اور منت پذیر زبانوں

نے مہمانی قبول کرنے کی التجا کی۔ مگر حضورؐ سب کو دعائے خیر و برکت دیتے آگے بڑھتے۔

شہر میں داخلے کے خوشگوار منظر کا کونسا پہلو دلچسپ نہیں۔ مگر اس مرغوب منظر کا وہ حصّہ از بس مسرت خیز ہے جب کہ گل و برگ سے نازک بدن سر پاؤں سے رشکِ چمن مگر حیا پرور اور پاک دامن بیبیوں نے چھتّوں سے دھیمے سروں میں خیر مقدم کا ترانہ گا کر جنّت الفردوس کو بلانا شروع کیا۔ حیا اور عقیدت نے آوازیں وہ اثر پیدا کر دیا کہ خلد کی حوریں کان لگا کر سنتی بس نہ کرتی تھیں۔ سنو! ان نیک بیبیوں نے پاک نبیؐ کی شان میں کیا ترانہ گایا۔

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَیْنَا — چاند نکل آیا

مِنْ ثَنِیَّاتِ الْوَدَاعِ — کوہ وداع کی گھاٹیوں سے

وَجَبَ الشُّکْرُ عَلَیْنَا — ہم پر خدا کا شکر لازم ہے

مَا دَعَا لِلّٰہِ دَاعِ — جب تک دعا مانگنے والے دعا مانگیں

باغبانِ حقیقی کے گلزار کی کلیاں یعنی بنو نجار کی لڑکیاں دف بجا کر اور گیت گا گا کر اپنے روحانی باپ آنحضرت صلعم اور خاندانِ نجار پر فخر کر رہی تھیں۔ ان کے بھولے چہروں پر معصومیّت نثار

ہو رہی تھی۔

نحن جوار من بنی نجار ہم خاندان بنی نجار کی لڑکیاں ہیں

یاحبذا محمدؐ امن جار محمدؐ کیا اچھا ہمسایہ ہے

وہ بہت خوش تھیں۔ مگر انہیں پتہ نہ تھا کہ ان کا باپ اُن سے کتنا خوش ہے۔ اُن کی آوازوں میں اپنے قابلِ فخر باپ سے پیار کی ایسی سفارش چھپی تھی۔ جس سے حضورؐ بے اعتنائی نہ برت سکتے تھے۔ جونہی حضورؐ اُن کے قریب سے گذرے تو ان بچیوں سے فرمایا۔ کہ کیا تم مجھ کو چاہتی ہو۔ وہ طفلانہ سادگی سے بولیں ہاں حضورؐ نے کمال خوش مزاجی سے فرمایا میں تم کو چاہتا ہوں۔

خاندانِ نجار کی بلند اقبال بیٹیو! تم کیسی خوش نصیب ہو فرشتوں نے تمہارے دامنوں کو آنکھوں سے لگایا ہو گا۔ حوروں نے تمہارے پاؤں کی خاک کا سرمہ بنایا ہو گا۔ بیشک جنہیں رسولؐ کی محبت کا دعوے ہو۔ اور رسولؐ کو جن کی محبت کا دعوے ہو۔ وہ اپنے بخت بیدار پہ جتنا فخر کریں کم ہے۔ بنو نجار کی بیٹیو! ہر مسلمان کا دل چاہتا ہے کہ اسے آنحضرتؐ کا زمانہ نصیب ہوتا۔ اور خاکِ پائے پیغمبر کو سرمہ بناتا۔

اس زمانہ میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے بہت

سے زبانی مدعی میری طرح حسرت سے کہتے ہیں کہ کاش ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے زمانہ میں پیدا ہوتے۔ تو ہم آنکھیں فرشِ راہ کرتے۔ اور حضورؐ کی جاں نثاری اور وفاداری میں خون پانی کی طرح بہاتے۔ مگر اُن کی اس پرحسرت آرزو کو اُن کے عمل سے کوئی نسبت نہیں ہوتی۔

بعض معاملہ نافہم لوگوں نے لڑکیوں کے دف بجا کر گانے اور حضور کے منع نہ فرمانے پر ساز و سرود کا جواز نکال لیا۔ اسلام میں ہر اُس چیز کی حرمت ہے۔ جو انسان کے قویٰ کو مضمحل کرے۔ یا عسکری جذبات کے سوا کسی اور جذبہ کو بروئے کار لائے۔ مَیں سحر زا نغموں کی تاثیر کو جانتا ہوں۔ موسیقی مجھے نفس کی محدود دُنیا سے نکال کر کہیں کا کہیں لے جاتی ہے۔ لحنِ داؤدی سے گائے ہوئے شیریں شعر مجھے ہفتوں بے قرار رکھتے ہیں۔ اور مَیں بن پیئے کے متوالا سا رہتا ہوں اس کی حرمت کا قائل بھی ہوں۔ آواز تو قدرت کا عطیہ سہی ساز تو شیطان کا چرخہ ہے۔ ساز و آواز کی فتنہ زائیوں سے باز کون رہ سکتا ہے۔ ساز و آواز کے ساتھ حسن شامل ہو جائے۔ تو زاہدِ شب زندہ دار رندِ خراب حال ہو جاتا ہے۔ اہلِ ذوق کے نزدیک موسیقی کا رنگ مزامیر کے بغیر بے کیف ہے۔ حسن کے بغیر

راگ میں رنگ نہیں۔ اسلام رنگ رلیاں منانے والی قوم نہیں چاہتا۔ عدم جواز پر مسلمانوں کا یہ حال ہے۔ شراب اور ساز مباح ہوتے تو ہمارا اعلےٰ طبقہ کچھ تو پی پلا کر گلی بازار میں پڑا لوٹتا۔ اور کچھ سُن سُن کر ہائے وائے میں عمر کاٹ دیتا۔ ہمارے دین و دُنیا پہلے بھی خراب تھے اور بھی برباد ہوتے۔

اطمینانِ قلب کے لئے عرب کا وہ راہنمائے حقیقی اس سے بہتر چیز پیش کرتا ہے۔ اُس کے پاس معرفت الٰہی کے نہ ختم ہونے والے نغمے ہیں۔ اور نشہ نہ اُترنے والی شراب ہے اور وہ شفق کی رنگین وادیوں کے پرے ہی محبوب کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ دُنیا کے سارے حسین جس کے آستانے کی اُڑتی ہوئی گرد ہیں۔ خدمتِ خلق کے پاک جذبے کو قلب کی گہرائیوں میں پرورش کرو۔ اس کی مخلوق کے لئے کوئی قربانی کرو۔ ممکن ہے تم اچانک اُن وادیوں میں پہنچ جاؤ۔ جہاں دُنیا کا حُسن ناقابل التفات اور موسیقی سمع خراشی سے کم نہیں ہوتی۔ کیا کیا جائے جن کو سمجھ نہیں۔ انہیں یہ حقیقتیں سمجھائی نہیں جا سکتیں۔ اور جو جانتے ہیں اُن کو بتانے کی ضرورت نہیں۔ اور کیا کہا جا سکتا ہے۔ کہ نوجوانو! تلوار ہاتھ سے رکھ کر ساز و مضراب نہ سنبھالو۔ نیکی اور خیر کے ارادے سے

مصیبتوں کے پہاڑ سر پر اُٹھانے کے لئے اُٹھو۔ اطمینانِ قلب کی دولت انسانیت کی بے لوث خدمت کے بغیر میسّر نہ آئیگی اور جب آجائے گی تب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی عظمت کا اقرار کروگے۔ کہ اس ہادیِ برحق نے سچ کہا تھا۔ موسیقی کو مذہب کا درجہ دینے والے دوستو! تم راگ کی کیفیّتوں میں کھوئے کھوئے پھرتے ہو۔ بہت لوگ دُنیا کی مصیبتوں سے تنگ زندگی کی دلچسپیوں سے ناآشنا موت کے آرزومند پھرتے ہیں۔ راگ کی رنگین وادیوں سے نکل کر غریبوں کو سنبھالو۔ انہیں بھیک منگے نہ بناؤ۔ بلکہ ان کی اولاد کی تعلیم و تربیت کا سامان کرو۔ تم مخلوق پر احسان کرو خالق تم پر احسان کریگا۔

# محبّتِ ذات اور سُنّت کی پیروی

یاد رکھنا چاہیئے کہ نبیوں کی زندگی میں لوگوں پر دو قسم کے فرض عائد ہوتے ہیں۔ ایک تو ان کی ذات کی حفاظت، دوسرے ان کی سنّت کا اتباع۔ مگر دُنیا سے اُٹھ جانے کے بعد صرف سُنّت کی پیروی کا فرض رہ جاتا تھا۔ نبیوں اور نیکوں کی موت پر

اُن کی ذات سے محبّت یقیناً موجبِ سعادت و برکت ہے لیکن جب تک اُن کی سُنّت کی پیروی نہ کی جائے۔ صرف دعوائے محبّت کافی نہیں۔

حضورؐ کی زندگی کے حالات پڑھنے سے یہ مقصود نہیں کہ آنحضرتؐ کے اصحاب پر رحمت اور مخالفوں پر لعنت بھیجی جائے بلکہ غرض یہ ہے کہ ہم اپنی سیرت کو آنحضرتؐ کی سیرت کے انداز پر ڈھالیں۔ اسی طرح اہلِ دُنیا سے محبّت اور قرابت والوں سے مروّت برتیں۔ خدا کی توحید کا ڈنکا ہر ملک میں بجائیں دُنیا کے کاموں میں کاہلی اور سُستی نہ کریں۔ دُنیا میں ہی اہلِ جنّت کی سی عادات پیدا کریں۔ اہلِ ملک سے امن اور صلح سے پیش آئیں۔ بیوی بچّوں کے آرام اور راحت کا خیال رکھیں۔ رسولِ کریمؐ کی طرح مکان، لباس اور جسم کو پاک اور صاف رکھیں۔ غریبوں اور محتاجوں کو نفرت کے ساتھ خیرات نہ دیں۔ بلکہ اُن کی روزی کا مستقل طور پر بندوبست کریں۔ تاکہ وہ بھی سہارا پاکر دوسروں کو سہارا دینے کے قابل ہو جائیں۔ ایسا نہ ہو انہیں بھیک مانگنے کی عادت ہو جائے۔ اپنے خاندان اور محلہ کے یتیموں کو تعلیم دلائیں۔ اور اُن کی صحت کا خیال رکھیں۔ تاکہ دُنیا میں کامیاب زندگی بسر

کرنے کے قابل ہو جائیں۔

حضورؐ اس امن اور برکت کی بستی میں سے گذرے۔ حضرت ابو ایوبؓ انصاری کے گھر کے سامنے پہنچ کر رک گئے۔ کہ شرفِ میزبانی کس کو حاصل ہو۔ التجائیں مسلمانوں کی نگاہوں میں سمٹ آئیں۔ آنکھوں نے دلوں کی کیفیت بیان کی۔ کون مسلمان تھا۔ جو حضورؐ کو مہمان بنانے پر مُصر نہ تھا۔ مگر ابو ایوبؓ کی قسمت جاگی۔ آنحضرتؐ نے بنابر قرابت ابو ایوبؓ کے گھر اُترنا پسند فرمایا۔ اسی مکان کے متصل حضورؐ نے مسجد نبوی اور ازواج مطہرات کے حجروں کی بنا ڈالی۔ دو یتیموں کی افتادہ زمین مول لی۔ اور خانۂ خدا کی تعمیر شروع کی۔

اکثر اہل دین بعض دُنیاداروں سے زیادہ اپنی شانِ امتیازی کو برقرار رکھنے کے لئے مضطرب ہوتے ہیں۔ وہ سب سے آگے چلتے ہیں۔ سب سے نمایاں جگہ پر بیٹھتے ہیں۔ اُن کی خواہش ہوتی ہے۔ کہ جب وہ گھر سے باہر نکلیں تو ہر کوچہ و بازار کے لوگ جُھک جُھک کر سلام کریں، بڑھ بڑھ کر ہاتھ چُومیں اور قدم لیں۔ نیکوکار ان بیماریوں سے پاک ہوتے ہیں۔ وہ عزّت کرواتے نہیں۔ ہاں دُنیا ان کی عزّت کرتی ہے۔ حد سے گزرنے والے

عقیدت مندوں کی وہ سختی سے باز پرس کرتے ہیں۔ خدا کے مقبول بندے انسانی برادری میں امتیازی حدود قائم کرنے سے ہمیشہ پرہیز کرتے ہیں۔ وہ انسانوں کی عظیم الشان خدمت کے صلہ میں مخدوم بنائے جاتے ہیں۔ خود سیکرٹری اور صدر بننے کی تجویزیں نہیں سوچتے۔ ہاں اگر سوسائٹی اور جماعت کی فلاح کے لئے کوئی درجہ قبول کرنے کی ضرورت ہو تو پھر شاندار کسر نفسی کا اظہار نہیں کرتے۔ بلکہ اس بار کو خوشی سے اٹھا لیتے ہیں۔ پھر دیکھو کہ مسجد نبوی کی تعمیر ہو رہی ہے۔ دو جہاں کے سردار بغیر امتیاز کے اصحاب اور احباب میں مل کر مزدوروں کی طرح پتھر اٹھا اٹھا کر لا رہے ہیں۔ جب دنیا کا سردار مزدور تھکن مٹانے کے لئے دوسرے مزدور دوستوں کے ساتھ مل کر یہ رجز پڑھتا ہے۔ تو حوریں باغ جنت کے پھول نچھاور کرتی ہیں۔ اور آسمان کے پاک فرشتے آمین آمین پکارتے ہیں۔ واہ کیا خوب رجز ہے۔

پہلا مصرع۔ انسانی سعی عمل کے لئے مشعل ہدایت ہے۔ دنیاوی کامرانی، مسرت، طاقت اور دولت کا حصول جبھی قابل ستائش ہے۔ جب کہ اس کے حصول کے ذرائع

قابلِ ستائش ہوں۔ ورنہ بُرے طریقوں سے کمائی ہوئی دولت اور حاصل کیا ہوا عروج و اقتدار مصیبتِ عظمیٰ ہے۔ کامیاب زندگی کا نام اسلام ہے۔ مسلمان ناکارہ و نامراد نہیں ہو سکتا۔ دنیا حاصل کرنے کی ہر کاوش نیکی ہے۔ اور اپنے اندر اجرِ عظیم رکھتی ہے۔ بشرطیکہ ذریعہ پر نظر رکھی جائے۔ یاد رکھنا چاہیئے۔ نیک۔ نیت آدمی کو سعیِ ناکام کا غم نہ کرنا چاہیئے۔ اس کا اجر بھی خدا کے خزانے میں محفوظ رہتا ہے۔ اس لئے نیک نیتی کے ساتھ رزقِ حلال اور کسبِ کمال کے لئے ہمتوں کو بلند رکھنا چاہیئے۔ یہی عاقبت کی کامرانی کا ذریعہ ہے۔

# غزوات

جب یہ مقدّس معمار اپنے بابرکت ہاتھوں سے ان پاکیزہ دیواروں کو چُن چُن کر حجروں اور مسجد کو مکمل کر چکے۔ تو آنحضرتؐ نے اہل بیت کو بھی اس خیر و خوبی کے شہر میں بُلا لیا۔ مکّہ کے کوتہ اندیش لوگوں نے نورِ ہدایت کی نہ صرف راہنمائی قبول کرنے سے انکار کیا۔ بلکہ اسے ظلم کا تختۂ مشق بنایا۔ یہاں تک کہ جبر صبر سے بڑھ گیا۔ اور حضورؐ کو ہجرت کا حکم آیا۔ ترکِ وطن کے بعد معلوم ہوا۔ جس کی غریب الوطنی بھی اس کے لئے امن کی ضامن نہ ہو سکے کیا کیجے۔ ہجرت کے چند روز بعد سردارانِ قریش نے کاغذی گھوڑے دوڑانے شروع کئے۔ عبداللہ بن اُبی کو جو رئیس اور معمار تھا ایک تحکمانہ خط لکھا کہ:-

| | |
|---|---|
| انکم اَوَیتم صاحبنا وَانا نقسم باللہ لنقاتلنه او تخرجنه او لنسیرنّ الیکم باجمعنا حتیّٰ نقاتل مقاتلتکم | تم نے ہمارے آدمی کو اپنے ہاں پناہ دی ہے۔ ہم خدا کی قسم کھاتے ہیں کہ یا تو تم لوگ ان کو قتل کر ڈالو، یا مدینہ سے نکال دو۔ ورنہ ہم سب لوگ تم پر حملہ |

ونستبیم نسائکم۔ کریں گے۔ اور تم کو فنا کر کے تمہاری عورتوں پر تصرف کریں گے۔

(سنن ابی داود صفحہ ۷۰ جلد ۲ باب خبر النضیر)

عبداللہ ابن ابی ہجرت سے پہلے انصار کا بے تاج بادشاہ تھا۔ اس کی رسمِ تاجپوشی ادا ہونے والی تھی۔ کہ تقدیر نے واقعات کا رُخ بدل دیا۔ آنحضرتؐ عقیدت اور عزّت کا مرجع بن گئے۔ عزّت اور عقیدت کے اس انتقال سے عبداللہ کو ملال ہوا۔ عبداللہ ہشیار تو تھا۔ مگر قوّتِ فیصلہ کا مالک نہ تھا۔ آنحضرتؐ کے اقتدار سے خار تو کھاتا تھا۔ مگر دل کی کیفیت زبان پر نہ لاتا تھا۔ چنانچہ خم ٹھونک کر کبھی میدان میں نہ آیا۔ البتہ پسِ پردہ تیر چلاتا رہتا تھا۔ مدینہ کے یہود جنہوں نے آنحضرتؐ کے ساتھ امن و مدافعت کا معاہدہ کیا تھا۔ قریش کی شہ پاکر آہستہ آہستہ مُنہ آنے لگے۔ سرکارِ دو عالمؐ نے نہ صرف مدینہ کے یہود سے معاہدہ کیا تھا بلکہ مدینہ کے نواح میں بسنے والے تمام قبائل سے امن اور اتحاد کا پیمان باندھا تھا۔ تاہم اہل مکّہ کی ریشہ دوانیوں سے مدینہ کا امن مخدوش صورت اختیار کر رہا تھا۔ ذرا سا شرارہ مدینہ کے خرمن امن کو خاک سیاہ کر دینے کے لئے کافی تھا۔ باہر سے حملہ کے احتمال اور اندر کی بدامنی کے خوف سے مسلمان رات آنکھوں میں کاٹتے

اور دن کو مسلح رہتے تھے۔ ان تشویشناک حالات کے باوجود مسلمان وحیِ الٰہی کے منتظر تھے۔ جارحانہ اور مدافعانہ دونوں لڑائیوں کی ضرورت تھی۔ جب چھیڑ چھاڑ شروع ہو جائے تو حملہ کی مدافعت کرنا اور خود بڑھ کر لڑنا ضروری ہوتا ہے۔ جن لوگوں نے تیرہ برس باوصف انتہائی مظلومیت کے کبھی مخالف پر ہاتھ نہ اُٹھایا ہو وہ بغیر حکم کے ہتھیار کب اُٹھاتے۔ آخر خدا نے ۱۲۔ صفر سنہ ۲ھ کو لڑائی کی اجازت دی، اور یہ آیت نازل ہوئی۔

| | |
|---|---|
| اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّھُمْ ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللّٰہَ عَلٰی نَصْرِھِمْ لَقَدِیْرُ۔ | جن سے لڑائی کی جاتی ہے (مسلمان) اُنکو بھی اب لڑنے کی اجازت دی جاتی ہے کیونکہ ان پر ظلم کیا جارہا ہے۔ اور خدا اُن کی مدد پر یقیناً قادر ہے۔ |

گویا انسانی قربانی کی آخری سرحد آپہنچی۔ شہادت کے رستے کھُلے۔ بہشت کے دروازے کھول دیئے گئے۔ جنّت سرفروشوں کا مقام ہے۔ عافیت کوشوں کی جگہ نہیں۔ وہ جو سوسائٹی کی اشد ضرورت کے وقت عذر تراشتا ہے۔ اور جان جوکھوں میں ڈالنے سے گریز کرتا ہے۔ خدا کی بدترین مخلوق ہے مستحق کرامت وہ ہے جو مِلّت کو خطرہ میں دیکھ کر تمام خطرات سے بے پروا ہو جاتا ہے۔ جو

اپنے بیوی بچّوں کو خدا کے سپرد کرتا ہے۔ اور مِلّت کی سلامتی کے لئے سینہ سپر ہو جاتا ہے۔ دوسروں کے مال و املاک بچانے کے لئے اپنا مال و املاک لٹاتا ہے۔ سر پر کفن باندھتا ہے۔ خاک و خون کی بازی کھیلتا ہے۔ وہ خدا کی خوشنودی کا مستحق ہے اور بہشت کے گلزاروں کا وارث، قوم و مِلّت کے خطرے کے وقت زد و خورد سے جی چُرانے والا خُدا کا چور ہے۔ اُس کی نمازیں دکھاوا اور روزے نمائش ہیں۔ باوجود لمبی عبادتوں کے سزاوارِ سزا ہے۔ اس آیت کے قبل عام طور سے باہمی محبّت، حُسنِ سلوک اور مالی ایثار قربانی کی آخری سرحد تھی۔ لڑائی کے اذن کے بعد اعمال میں بنیادی تغیّر پیدا ہو گیا۔ میدان میں حیلہ و بہانہ سے بچنے والے اور صف میں کھڑے ہو کر پیٹھ دکھلانے والے کے تمام اعمال اکارت سمجھے جانے لگے۔ شہید کی تمام لغزشیں معاف تصوّر ہوئیں۔ ۱۲ صفر ۲ھ سے لے کر قیامت تک یہ قانون مسلمانوں میں جاری رہے گا۔ ملّت کے خطرے کے وقت جہاد سے جی چرانے والا مسلمان نہیں منافق ہے۔

خود آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) حملہ کے خوف سے راتوں جاگا کرتے تھے۔ سرداران قریش کے خط سے اُن کے جنگی ارادے

صاف صاف ظاہر ہوتے تھے۔ اب خطرات سے بے پروا ہو کر غفلت کی نیند سو رہنا محض غلطی تھی۔ ہر دم آمادہ بہ پیکار قریش سے امن کی توقع فضول تھی۔ لڑائی کی اجازت سے کچھ عرصہ بعد باوجود آنحضرتؐ اور مسلمانوں کی امن پسندی کے اہلِ مکّہ نے کھلّم کھلّا چھیڑ چھاڑ شروع کر دی۔ چنانچہ مکّہ کے رئیس کرز بن جابر فہری نے اچانک مدینہ کی چراگاہ پر چھاپہ مارا اور مال مویشی لوٹ کر لے گیا۔

اس واقعہ کے بعد ضروری ہو گیا۔ کہ نہ صرف مدینہ میں بیٹھ کر شب بیداری کی جائے۔ بلکہ اہلِ قریش کی نقل و حرکت کی پوری نگرانی کی جائے۔ بنابریں رجب ۲ھ میں آنحضرتؐ نے عبداللہ بن جحش کو ۱۲ آدمی ساتھ دے کر مقام نخلہ بھیجا۔ اور ایک خط بھی دیا۔ اور ہدایت کی کہ اسے دو دن بعد کھولنا۔

عبداللہ نے خط کھولا۔ اس میں لکھا تھا کہ نخلہ میں قیام کرو۔ اور قریش کے حالات کا پتہ لگاؤ۔ اور اطلاع دو۔ اتفاق سے قریش کے کچھ آدمی شام سے تجارت کا مال لئے ہوئے سامنے سے گذرے، عبداللہ بن جحش کے ذہن میں سردارانِ قریش کا خط، اُن کی جنگی تیاریاں، مدینہ کی چراگاہ کا حملہ ہو گا۔ عرب کے

جنگی آئین کے مطابق مسلمانوں اور قریش میں جنگ شروع ہو چکی تھی۔ ان واقعات کے بعد کسی نئے اور رسمی اعلان کی ضرورت نہ تھی مسلمانوں نے اس قافلہ پر حملہ کر دیا۔ اہل قافلہ میں سے ایک شخص عمر بن الحضرمی مارا گیا۔ دو گرفتار ہوئے۔ اور قافلہ کے مال کو مالِ غنیمت سمجھ کر آنحضرتؐ کے حضور میں پیش کیا۔ جب سارے واقعہ کی اطلاع آنحضرتؐ کو ہوئی۔ تو حضورؐ نے مال قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اور عبداللہ سے بازپرس کی صحابہ نے برہم ہو کر کہا۔ عبداللہ تم نے وہ کام کیا جس کا تمہیں حکم نہ دیا گیا تھا۔ پراپیگنڈا کے فن میں مشّاق قریش نے اس واقعہ سے طوفان اٹھا دیا۔ اور آتشِ غضب کو تمام عرب کے سینوں میں بھڑکا دیا۔ حالانکہ یہی قریش اس واقعہ کے قبل مسلمانوں پر ایک عام ہلّہ کرنے کی تیاریوں میں مصروف تھے۔ اور مصارفِ جنگ بہم پہنچانے کے لئے ایک بڑا تجارتی کارواں شام کو روانہ کر چکے تھے۔ تاکہ سارا منافعہ مسلمانوں کے ساتھ جنگ میں صرف کیا جائے۔

غرض جو بلا حجّت لڑنے پر آمادہ تھے اب انہیں حجّت ہاتھ آگئی۔ مدینہ پر حملہ اب یقینی اور چند روز کی بات تھی۔ آنحضرتؐ

نے صحابہ کو جمع کیا۔ اور پیش آنے والے خطرات کا اظہار کیا۔ مہاجرین میں سے حضرت ابوبکرؓ وغیرہ نے آنحضرتؐ پر جان قربان کرنے کا اعلان کیا۔ سرکارِ دو عالمؐ نے انصار کی طرف دیکھا۔ تذبذب تھا۔ کہ یہ کیا کہیں گے۔ سعدؓ بن عبادہؓ نے حضورؐ کی نظروں سے کیفیتِ قلب کو جانچا۔ اور کہا۔ خدا کی قسم اگر آپ فرمائیں تو ہم سمندر میں کود پڑیں، مقدادؓ نے کہا۔ ہم موسےٰؑ کی قوم کی طرح یہ نہ کہیں گے۔ کہ آپ اور آپ کا خدا جا کر لڑیں۔ ہم لوگ آپ کے داہنے سے بائیں سے آگے سے پیچھے سے لڑیں گے۔

جوش و ہیجان کے زمانہ میں لوگوں کے صرف کان باقی رہ جاتے ہیں۔ عقل اور نظر جواب دے جاتی ہیں۔ اتنی سکت نہیں رہتی کہ بات سوچیں اور پرکھیں۔ کسی منفنّی نے مکہ میں یہ افواہ اڑادی کہ مسلمان شام سے آنے والے قافلہ کو لوٹنے آرہے ہیں پھر کیا تھا اہلِ مکہ نے آؤ دیکھا نہ تاؤ ہتھیار باندھے جنگ کا سامان درست کیا۔ آندھی کی طرح اٹھے اور بدر کے مقام پر آٹھہرے۔ یہاں کسی نے بتایا کہ تمہارا قافلہ تو خطرہ کی زد سے نکل چکا ہے۔ قبیلہ زہرہ اور عدی کے سرداروں نے کہا۔ اب

لڑائی فضول ہے۔ مگر قریش سردار اب کسی کی کب سُنتے تھے۔ عدی اور زہرہ کے لوگ چلے گئے۔ مگر آتش مزاج قریش آمادۂ قتال ہو گئے۔

آنحضرتؐ اہلِ مکہ کی یورش کی خبر پاکر ۱۲ - رمضان ۲ھ کو مدینہ سے اُٹھے۔ شہر سے ایک میل باہر آکر اپنی مختصر سی جمعیت کا جائزہ لیا۔ شوقِ جہاد سے بے تاب کم عمر غازیوں کو اس پُرخطر موقعہ پر جانے سے باز رکھا۔ ایک کم سن مجاہد عمرو بن ابی وقاص نے شاملِ جہاد ہونے کے لئے ہٹ کی۔ جب واپسی کے لئے کہا گیا تو وہ رو دیا۔ سالارِ عرب نے ہنس کر اجازت دے دی۔ وُہ اور اس کا بڑا بھائی دونوں اس عزّت افزائی سے خوش ہو گئے۔ آنحضرتؐ ۳۱۳ صحابہ کی مختصر سی فوج لے کر بدر کی طرف بڑھے جہاں قریش پہلے پُہنچ چکے تھے۔

جنگ بدترین فعل ہے جس کا کوئی شریف حامی نہیں ہو سکتا۔ کون بھلا آدمی بچّوں کے یتیم ہو جانے۔ عورتوں کے سہاگ لُٹ جانے، بازو کٹ کٹ کر بچھ جانے، سروں کی بارش ہونے، خون گر گر کر ندیاں بہ جانے کا متحمل ہو سکتا تھا؟ مجروحین کے سینوں سے جو درد انگیز نالے اُٹھتے ہیں۔ جو خون کے فوّارے چھُوٹتے

ہیں۔ انہیں کون دیکھ اور سُن سکتا ہے۔ ہاں صرف شقی القلب
لوگ انسانوں کی مصیبتوں پر اطمینان کی نظر ڈال کر خوش ہو سکتے
ہیں۔ ہاں ایسی جارحانہ جنگ سے پرہیز بہت بڑی نیکی ہے۔
لیکن جب خدا کو معبود ماننا ممنوع قرار دیا جائے۔ جب مردوں
پر تشدّد کی بجلیاں گرائی جائیں۔ جب عورتوں پر ظلم و ستم توڑے
جائیں۔ اور جب ایسی تمام بدعتیں روا رکھی جائیں۔ جن کی
تفصیل گزر چکی ہے۔ اور جب شہر چھوڑ کر بھی جان نہ چھوٹے
تو اس وقت مدافعت، شرافت اور جنگ ایک مقدس فرض
ہے۔ اس مقدس فرض کا دوسرا نام جہاد ہے۔ جہاد سے گریز
بُزدلی ہے۔ بُزدل کی دُنیا تباہ اور عاقبت برباد ہے۔ قوم
کے غدّار کا کوئی عذر مسموُع نہیں ہو سکتا۔ اس لئے اے عزیزو!
اپنے دلوں میں جذبۂ جہاد کی پرورش کرو۔ عمر میں کم از کم ایک دفعہ
افواج میں شریک ہو کر جنگ کرو۔ اگر زندگی میں ناممکن ہے
تو بدرجۂ اقل جہاد کی آرزو لے کر ہی مرو۔ یہ بات پُورے طور
سے ذہن نشین کر رکھو۔ کہ ایثار اور قربانی ہی دینِ مبین کی جان
ہے۔ جو شخص دوسروں کو خوشی، راحت اور آرام پہنچانے کیلئے
اپنے وقت، مال اور جان کی قربانی کا خوگر نہیں۔ وہ عاقبت کا

خوشی، راحت اور آرام سے محروم کر دیا جائیگا۔ دوسروں کی خدمت کا متلاشی ہی شریف آدمی ہے۔ قیاس کرو اس مجاہد سے بہتر کون ہے۔ جو مال اور املاک کو چھوڑے۔ بال بچّوں سے مُنہ موڑے۔ اور اپنا خون دوسروں کی حفاظت کے لئے گرائے

جب آنحضرتؐ نے مخالفوں کے ہاتھوں وطن چھوڑ کر بھی امن نہ پایا تو ناچار مدافعت کے لئے ہتھیار اُٹھانے پڑے۔ بدر کے میدان میں پہنچے تو دیکھا کہ قریش ایک ہزار کے لاؤ لشکر سے پڑاؤ ڈالے پڑے ہیں۔ سو سواروں کا رسالہ ہے۔ سب رؤسائے قریش ہمراہ ہیں۔ رسد رسانی کا پُورا سامان ہے۔ جنگ کی تدبیر سے واقف قریش میدان کے بہترین مقامات پر قابض ہو چکے تھے۔ محبوب خدا نے دیکھا کہ دشمنانِ دین میدان کے مناسب موقعوں پر قابض ہیں۔ جس طرف مسلمان آکر اُترے پانی کی قلت اور ریت کی کثرت تھی پاؤں ریت میں دھنس دھنس جاتے تھے۔ خبابؓ بن منذر نے آنحضرتؐ کے حضور میں عرض کی کہ اس مقام کا انتخاب وحی کے مطابق ہے یا جنگی تدبیر۔ حضورؐ نے فرمایا جنگی تدبیر۔ خبابؓ نے کہا۔ تو بہترین جنگی تدبیر یہ ہے کہ ہم بڑھ کر اس چشمہ

پر قبضہ کرلیں۔ آپ کو یہ رائے پسند آئی۔ اور مسلمانوں نے چشمہ پر قبضہ کرلیا۔

آنحضرتؐ صحابہ کی آزادیِ رائے کے بڑے قدر دان تھے، وحی کی صورت میں تو آنحضرتؐ خود مجبور ہوتے تھے۔ تدبیر کے معاملہ میں مشورہ قبول فرما لیتے تھے۔ سلیم الفطرت صحابہ وحی کے حامل پیغمبرؐ کے حضور میں بڑی جرأت سے رائے دیا کرتے تھے۔ اور سرورِ دو عالمؐ مناسب رائے کو خوشی سے قبول فرما لیا کرتے تھے۔ آج کل کے ہادیانِ طریقت اور حامیانِ شریعت اپنے حضور میں لب کشا ہونے ہی کو زبان درازی سمجھتے ہیں۔ بہت سے باپ ہیں جن کے سامنے اولاد دم نہیں مار سکتی۔ بہت جابر خاوند ہیں۔ جن سے بیوی ڈرتے ڈرتے کلام کرتی ہے۔ گویا اس شاہِ مطلق کی موجودگی میں گھر بھر غلام زادوں کی منڈی ہے۔ لوگ ایسے گھر کو مہذب گھر سمجھتے ہیں۔ اولوالعزم پیغمبرؐ نے اپنی اُمت کو آزادیِ رائے کا سبق دیا۔ آزاد قوم پیدا ہوئی۔ ہم بیوی بچوں کی بات سُننا پسند نہیں کرتے۔ اِس سے غلامانہ ذہنیت رکھنے والی نسل کی افزائش کرتے ہیں۔ یہ لوگ نہیں جانتے کہ کمزور جسم اور کمزور دل کے آدمی سے عمدہ

اخلاق اور اعمال کی توقع نہیں ہو سکتی۔

جو موقع جس قدر نازک اور اہم ہوتا ہے اُسی قدر آزادیِ رائے اور بے باکی ضروری ہے۔ خبابؓ بن منذر کی اس رائے سے ایک بڑی مصیبت سے نجات مل گئی۔ پیاس بجھانے کا سامان ہو گیا۔ اس کے علاوہ خدائے پاک نے نیک دل مجاہدوں پر احسان کیا۔ اس وادی غیر ذی زرع میں خلاف توقع بادل اُٹھا اور جی کھول کے برسا۔ اس سے ایک تو ریت بیٹھ گئی۔ اور مسلمانوں نے مینہ کے پانی کو روک کر حوض بنائے۔ جو نہانے دھونے کے کام آئے۔ دوسرے دشمن کے لئے یہ بارش بارانِ زحمت ثابت ہوئی۔ لڑائی کا مقام جو انہوں نے منتخب کیا تھا۔ وُہ ریتلی زمین نہ تھی۔ اس لئے زیادہ بارش کی وجہ سے وہ زمین نقل و حرکت کے ناقابل ہو گئی۔ تاہم سازو سامان سے محروم اور تعداد میں قلیل مسلمان سامنے تھے۔ قریش اپنے زعمِ باطل میں ان کو مار بھگانا اپنے بائیں ہاتھ کا کرتب سمجھے بیٹھے تھے۔ بعض صلح جو قریش کی کوششیں ابو جہل کی حجت تراشی کے باعث ناکام ثابت ہوئیں حکیم ابن حزام جو صلح کُل اور مائل باسلام تھا۔ سردارِ فوج عتبہ کے پاس گیا کہ حضرمی کا خون بہا آپ ادا کردیں رہتی دُنیا تک آپ

نیک نام رہیں۔ اس طرح باہمی خونریزی رُک جائیگی۔ آپ کا بول بالا ہوگا۔ نیک نفس عتبہ بولا مجھے منظور ہے۔ حکیم یہ خوشخبری لے کر ابُوجہل کے پاس پہنچے۔ وہ ترکش سے تیر نکال چکا تھا۔ بولا کہ معلوم ہوگیا کہ عتبہ ہمّت ہار بیٹھا۔ ادھر حضرمی کے بھائی عامر کو بُلا کر کہا۔ لو بھائی تمہارا خون بہا سامنے آکر نکلا جاتا ہے۔ عامر نے دستورِ عرب کے مطابق نالہ وشیون کا آغاز کیا۔ واعمرہ واعمرہ کہہ کر کپڑے پھاڑے۔ خاک اُڑا کر سر پر ڈالی۔ اس طرح صلح کی کوشش پر پانی پھر گیا۔ آتشِ انتقام سینوں میں بھڑک اُٹھی۔ جنگ کی آگ فوج میں مشتعل ہوگئی۔ عتبہ کے سینے میں ابوجہل کا طعنہ ترازو ہوگیا۔ وہ ہتھیار لے کر بھائی اور بیٹے کے ہمراہ پہلے میدان میں اُترا اور مبارز طلب ہوا۔ انصار میں سے عوف، معاذ، عبداللہ بن رواحہ مقابلہ کو بڑھے۔ عتبہ نے کہا یہ ہمارے پلّے کے نہیں۔ اُن کو بھیجو جو ہمارے جوڑ کے ہوں۔ چنانچہ آنحضرتؐ کے حکم کے مطابق یہ تینوں انصار لوٹا دیئے گئے۔ حضرات حمزہؓ، علیؓ اور عبیدہؓ مقابل ہوئے۔

لو کفر اور اسلام کی فیصلہ کُن جنگ ہوا چاہتی ہے۔ مہابھارت کے یُدھ میں بہادر ارجن نے عزیز و اقارب کو میدانِ محاربہ میں صف بہ صف

مقابل دیکھا، تو جی چھوڑ دیا۔ اور ہتھیار رکھ کر شری کرشن سے بولا۔ مہاراج آج میرا من چنچل ہے۔ لیکن بدر کے میدان میں خدا کے سپاہیوں میں سے پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کسی نے نہ کہا کہ بھائی بندوں کے مقابلہ میں ہتھیار باندھنے پر من نہیں مانتا۔ آج باپ بیٹے سے اُلجھ گیا۔ بھائی بھائی سے ٹکرا گیا۔ جگر گوشے تلواروں کے گھاٹ اُترتے نظر آئے۔ سروں کے ڈھیر دکھائی دینے لگے۔ آہ جنگ ایک ناگزیر بُرائی ہے۔ عقلِ انسانی نے خونریزی کا انسداد آج تک خونریزی سے ہی کیا ہے۔ اگر ہاتھ باندھنے سے صلح ممکن ہوتی تو مسلمانوں کا سردار سب کا منت پذیر ہوتا۔ لیکن جب تک دُنیا میں ابوجہل موجود ہیں۔ مُحمّد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امن پسندی کام نہیں آسکتی۔

# نمازی اور غازی

قومی خطرے کے وقت انفرادی نیکی کی قیمت بہت کم رہ جاتی ہے۔ جو عبادت گذار اور نیک شعار خطرے کے وقت سینہ سپر نہیں ہوتا۔ اُس کی نیکیاں ضائع ہو جاتی ہیں۔ سچا مذہب وہ ہے جو انسان میں انفرادی اور اجتماعی دونوں طرح کی خوبیاں پیدا کرے۔ یعنی امن کے وقت دوستوں کا محبوب ہو۔ اور جنگ کے وقت غنیم کا دشمن ہو۔ ہر مذہب کی ابتدا میں انفرادی نیکی کے ساتھ اہلِ مذہب میں جنگی سپرٹ کا ظہور ہوتا رہا ہے۔ جوں جوں اہلِ مذہب میں مذہبی رُوح فنا ہو جاتی ہے۔ اُن سے جنگی قابلیت مفقود ہو جاتی ہے۔ قومی اور مُلکی خطرے کے وقت وہ گوشوں میں پناہ پاتے ہیں۔ دشمن میدان خالی پا کر ملک کا امن برباد کر دیتا ہے۔ اور اہلِ وطن کے مال و دولت پر قبضہ جما لیتا ہے۔ بدر کے اللہ والوں کی زندگیوں کو دیکھو۔ نماز کے وقت پانی سے وضو کرتے تھے۔ جنگ میں خون سے ہولی کھیلتے تھے۔ رات کو مصلّو

پر بیٹھتے ہیں تو دن کو گھوڑوں کی پیٹھوں پر دکھائی دیتے ہیں۔ دیکھو جب تک مسلمانوں میں انفرادی اور اجتماعی نیکی موجود رہی وہ دُنیا میں سرفراز رہے۔ اور جب سے ملی اور ملکی خطرے کے وقت نفلی عبادتوں میں مصرف ہونے لگے۔ دُنیا کے ہر گوشے میں اسلام بے توقیر ہو کر رہ گیا۔ یاد رکھو۔ امن کے وقت مخلوق سے حُسنِ سلوک اور حُسنِ معاملہ کا نام اسلام ہے۔ جنگ کے وقت سرفروشی سچّا دین ہے۔ جو امن اور جنگ دونوں حالتوں میں مذہب کا فرمانبردار بندہ بنا رہے گا۔ فلاح پائے گا۔ جو امن کے وقت بدمعاملہ اور بدقماش ہوگا۔ خطرے کے وقت جان چُرائے گا۔ وہ آخرت میں سزا پائے گا۔ جب قوم کے افراد امن کے ایام میں بدکردار اور ناہنجار ہونگے اور خطرے کے وقت گھبرا جائیں گے۔ وہ دُنیا کی حکومت سے محروم کر دیئے جائیں گے۔ اُن پر اُن سے بہتر قوم حاکم کر دی جائیگی۔

مسلمان ہر چند تعداد میں کم تھے۔ اور کفار ساز و سامان میں اُن پر فائق تھے۔ لیکن سیسہ پلائی ہوئی دیوار ثابت ہوئے۔ ان میں سے ہر ایک جان ہار تھا۔ کوئی بھی غدّار نہ تھا۔ قریش کے دل میں محض غرور اور جذبۂ انتقام تھا۔ مسلمانوں کے پیش نظر دُنیا کی

سرداری اور عاقبت کی فلاح تھی۔ پھر مقابلہ کیا تھا۔ عتبہ حضرت حمزہؓ کے ہاتھ سے اور ولید حضرت علیؓ کے ہاتھ سے مارا گیا۔ عتبہ کے بھائی شیبہ نے حضرت عبیدہؓ کو زخمی کر دیا۔ حضرت علیؓ نے بڑھ کر شیبہ کو قتل کیا۔ اور حضرت عبیدہؓ کو کندھوں پر اُٹھا لائے۔

عفرا کے بیٹے حضرت معوذ اور معاذ کم عمر تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خیال میں بوجہ خردسالی ان بچوں کی جنگ میں شمولیت ٹھیک نہ تھی۔ مگر دونوں کو جنگ میں جانے پر اصرار تھا۔ آخر دونوں کو اجازت مل گئی۔

جب عام حملہ شروع ہوا۔ اور گھمسان کا رن پڑا۔ تو دونوں لڑکوں نے حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف سے آکر پوچھا۔ چچا رسول اللہؐ کا دشمن ابوجہل کون سا ہے۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ نے اشارہ سے بتایا۔ لڑکے تیر کی طرح جھپٹے شمشیر سے وار کیا۔ قبل اس کے کہ وہ ہوش سنبھالے بے ہوش ہو کر زمین پر گر گیا۔ ابوجہل کے بیٹے عکرمہ نے باپ کو خاک میں گرتے دیکھ کر عقب سے آکر معاذ پر وار کیا۔ معاذ کا بازو کٹ کر بس ایک تسمہ لگا رہا۔ معاذ نے پلٹ کر عکرمہ کا پیچھا کیا۔ وہ جان بچا کر بھاگا۔ معاذ

نے اپنے بازو کو پاؤں کے نیچے دبا کر جھٹکا دیا۔ تسمہ الگ ہو گیا۔ اور ایک ہی بازو سے خدائے واحد کی راہ میں لڑتا رہا۔

جب قریش نے دونوں سرداروں یعنی عتبہ اور ابو جہل کی لاشوں کو خاک میں پڑا پایا۔ تو اُن کے پاؤں متزلزل ہو گئے۔ بعض نے جنگ بے سود سمجھ کر سپر ڈال دی۔ اسیری کو آزادی پر ترجیح دی۔ اس جنگ میں ستّر قریش کام آئے۔ اور چودہ مسلمان شہید ہوئے۔ ۷۰ کے قریب قریش گرفتار ہوئے۔ ۱۴ شہدا کے خون نے اسلام کی جڑ کو مضبوط کر دیا۔ اگر ان بہادروں کے سُرخ خون کے دھبّے زمین پر نہ گرتے تو دُنیا میں اسلام کا نشان باقی نہ رہتا۔ یہ مٹھی بھر مسلمان جانوں کو ہتھیلی پر رکھ کر نہ نکلتے تو نہ اُن کی جان بچتی نہ عورتوں کی عزّت محفوظ رہتی۔ بہادروں کی موت دینِ اسلام کی حفاظت کا باعث بن گئی۔ دُنیائے اسلام اِن بہادروں کی کس قدر احسان مند ہے۔

# اسیرانِ جنگ

اسیرانِ جنگ کے ساتھ حُسنِ سلوک صرف اسلام کا امتیازی قانون ہے۔ جنگِ بدر کے تمام قیدی صحابہ میں ایک ایک دو دو کر کے تقسیم ہو گئے۔ حکم ہؤا کہ ان کو آرام سے رکھو۔ اور اچھا سلوک کرو۔ صحابہ نے اپنے مہمانوں سے بہت اچھا سلوک کیا۔ اپنے سے اچھا کھلایا۔ ابو عزیز کا بیان ہے کہ جس انصاری کے گھر میں مَیں قید تھا وہ صبح و شام میرے لئے روٹی لاتے اور خود کھجوروں پر اکتفا کرتے۔ مَیں اس حُسنِ سلوک سے شرمندہ ہو کر روٹی واپس کرنے کی سعی کرتا۔ مگر اہلِ خانہ نہ مانتے۔ ایک شخص سہیل نامی اسیر ہو کر آیا۔ بڑا چُست زبان اور آتش بیان تھا۔ آنحضرتؐ کے خلاف اکثر زہر اُگلا کرتا تھا۔ حضرت عمرؓ نے جوشِ عقیدت میں آکر عرض کیا یارسول اللّٰہ! اس کے دو نچلے دانت اُکھڑوا دیجئے۔ تاکہ اس کی قوّتِ بیانیہ کا خاتمہ ہو جائے۔ حضورؐ نے فرمایا۔ کہ عمرؓ اگر مَیں اس کا کوئی عضو بگاڑ دُونگا۔ تو باوجود نبوّت کے خدا میرا کوئی عضو بگاڑ دیگا۔ اسیرانِ جنگ کے کپڑے میلے ہوئے تو آنحضرتؐ نے اُجلے کپڑے بدلوائے غرض

دشمنوں کو دوستوں کی طرح رکھا۔ دولتمند اسیروں کو فدیہ لے کر چھوڑ دیا گیا۔ نادار قیدیوں کو حکم ہوا کہ وہ دس بچّوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دیں۔ تاکہ مسلمانوں میں تعلیم بڑھے۔ اور قیدیوں کو آزادی نصیب ہو۔

آج کون ہے جو اس مجسمۂ رحم کی پیروی کرے۔ اور اسلام کی شان کو دوبالا کرے۔ آج کل کے مسلمان اُمرا مسلمانوں کو ملازم رکھتے ہیں۔ مگر اسیروں سے بدتر سلوک کرتے ہیں۔ مَیں نے بعض امیروں کے گھروں میں چھوٹے چھوٹے لڑکے ملازم دیکھے ہیں۔ جن کی تعلیم و تربیت کا خیال نہیں رکھا جاتا۔ بچا کھچا کھانا، پھٹا پُرانا کپڑا، رات دن کی محنت اُن کی قسمت ہے۔ تعجب ہے کہ جو مذہب اسیروں سے حُسنِ سلوک کا روادار ہے وہ ملازموں سے موجودہ سلوک کا متحمل کب ہو سکتا ہے۔ آج کل ملازموں کو ساتھ بٹھا کر کھانا کھلانا، اپنی طرح کپڑا پہنانا تو کجا، تلطف اور مہربانی سے پیش آنا نا ممکن بات تصوّر کی جاتی ہے۔

جنابِ سرورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والتحیات کی تعلیمی سرپرستی دیکھو۔ کہ اسیرانِ جنگ سے اگر کوئی خدمت لی تو تعلیم پھیلانے کی۔ آج کل دروازہ پر علم کی گنگا بہتی ہے۔ مگر مسلمان اکثریت اس سے محروم ہے۔ محلوں کے اُمرا۔ اور گاؤں کے نکھیا عزیز و اقارب

کی تعلیم سے غافل ہیں۔ علم کی دولت ملک میں مفت لُٹ رہی ہے۔ مگر مسلمان بہرہ اندوز نہیں ہوتے۔ علم کی دولت ورثہ میں نہیں مل سکتی۔ ہر بچّہ جاہل پیدا ہوتا ہے۔ اس لئے آنے والی نسل کی تعلیم کا فرض موجودہ نسل پر عائد ہوتا ہے۔ جو اس فرض میں کوتاہی کا باعث ہوتا ہے۔ وہ آنے والی نسل کی ترقی، خوشحالی اور مسرت کو فنا کرتا ہے۔ اس فرضِ عظیم سے بے پروا فلاح نہیں پا سکتا۔ جو اپنی غفلت کے باعث آئندہ نسلوں کو مسرت سے محروم کرتا ہے۔ وہ آنے والی دُنیا میں بھی مسرت سے محروم رہے گا۔ علم اور آدمیّت ایک ہی شے ہے۔ آئندہ نسلوں کو علم سے محروم رکھنے کی غلطی نہ کریں۔ علم کی قدر و قیمت کو خود سمجھنا اور زیورِ علم سے اپنے بچّوں اور ہمسایوں کے بچّوں کو آراستہ کرنا خُدا کی خوشنودی کا باعث ہے۔ اور رسول کریمؐ کی ایک بابرکت سُنّت ہے۔

بہادروں کے لئے شکست موت سے بدتر ہوتی ہے۔ بدر کی خبر مکّہ پہنچی۔ تو شہر ماتم کدہ بن گیا۔ عزیزوں کی موت کے غم کے علاوہ دُنیا میں شکست رسوائی کا بھی باعث تھی۔ تاہم قریش کی قومی غیرت رونے کی متحمل نہ ہوئی۔ اس لئے منادی کر دی۔

کہ جو اس مصیبت میں روئے وہ بزدل۔ اہل قریش کا یہ سکوت غلام قوموں کی خاموشی نہ تھی۔ بلکہ ذلّت کا احساس اور انتقام کا عہد تھا۔ روکر انتقام کی آگ کو ٹھنڈا کرنے والی قوم نے کب فتح پائی ہے۔ قریش نے رونے دھونے کی ممانعت اسی لئے کی تھی۔ کہ آتشِ انتقام سلگتی رہے۔ تا آنکہ مسلمانوں کے خون سے یہ آگ بجھائی جائے۔

# غزوۂ اُحد ۳ھ

تدبیر سے تقدیر بنتی ہے۔ عدم احتیاط سے قسمت بگڑتی ہے۔ قریش نے شکست پر معاندانہ صبر کیا۔ مگر اس داغ کو دھونے کی اُسی روز سے تیاری شروع کر دی۔ تجارت میں جان لڑائی اور منافع انتقامی جنگ کے لئے جمع رکھا۔ مرد کی غیرت کو برانگیختہ کرنے کے لئے عورت کس قدر موثر ہتھیار ہے۔ شاعر جذباتِ جنگ کو کس قدر بھڑکا سکتا ہے۔ غلام آباد ہند میں بسنے والا مسلمان کیا جان سکتا ہے۔ شاعروں نے عرب میں، عورتوں نے سارے

مکّہ میں آگ لگا دی، جس کے شعلے اُٹھ اُٹھ کر مدینے پہنچے۔ مدینہ والے کی دُور بین نگاہ نے ایک عظیم خطرہ محسوس کیا۔ بے شک سرداران مکّہ کو بدر کے میدان میں خاک چاٹنا پڑی۔ اور اسلام کا سیاسی اثر بڑھ گیا۔ لیکن یہ معرکہ فیصلہ کن نہ تھا۔ دینِ مبین بدستور خطرات میں گھرا کھڑا تھا۔ قسمت نے قریش کا زور پوری طرح نہیں توڑا تھا۔ چنانچہ وہ میدان میں تقدیر کا فیصلہ سُننے پر مُصر تھے۔

ابو سفیان جیسے بڑوں کی موت نے بڑا بنا دیا تھا۔ اب قریش قوم کا سردار تھا۔ اس کی طبیعت میں تذبذب تھا۔ وہ فیصلہ کن لڑائی لڑنے کے ناقابل تھا۔ ایسے لوگ جنگ کی بجائے تدبیرِ جنگ پر زیادہ انحصار رکھتے ہیں۔ اس لئے کمال رازداری سے سامانِ جنگ فراہم کیا۔ خفیہ خفیہ انتظام کر کے چاہا۔ کہ اچانک حملہ کیا جائے۔ مگر آنحضرتؐ کے چچا حضرت عباسؓ نے جو ابھی مکّہ میں مقیم تھے۔ تیز رو قاصد حضورؐ کی خدمت میں بھیجا۔ آنحضرتؐ نے مناسب مقام پر پہرے بٹھائے۔ دُور و نزدیک مخبر دوڑائے۔ ابو سفیان بڑے لاؤ لشکر سے پھریرے اُڑاتا مدینہ پہنچا۔ اُحد کی پہاڑی پر پڑاؤ ڈالا۔ رسولِ کریمؐ نے صحابہ کرام سے مشورہ کیا۔ مہاجرین اور انصار نے شہر میں پناہ گزیں ہو کر مقابلہ کرنے کا مشورہ دیا۔ نوجوانوں کا جوش

ان کی عقل سے زیادہ ہوتا ہی ہے۔ اصرار کیا۔ کہ کھلے میدان میں نبرد آزمائی کی جائے۔ آنحضرتؐ خاموشی سے اُٹھ کر اپنے گھر میں گئے اور ہتھیار لگا کر آ گئے۔ صحابہ نے جانا کہ نوجوانوں کے اصرار کو باکراہ قبول فرمایا ہے۔ اس لئے سب معذرت خواہ ہوئے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ پیغمبر کو زیبا نہیں۔ کہ ہتھیار پہن کر اُتار دے۔ غرض آنحضرت صلعم جمعہ کی نماز پڑھ کر ایک ہزار جوانوں کی جمعیت کے ساتھ شہر سے چلے۔ عبداللہ ابن اُبی مشہور منافق تین سو جوانوں کو لیکر ساتھ ہوا۔ علیحدگی کا کوئی معقول عذر ہاتھ نہ آیا تو یہ عذرِ لنگ تراشا کہ حملہ سے مدافعت بہتر تھی۔ چونکہ تم میری منشا کے خلاف شہر سے باہر جا رہے ہو۔ اس لئے میرا سلام ہے۔ عبداللہ بن ابی کے لوٹ جانے کے بعد اب سات سو ساتھی رہ گئے۔ شہر کے باہر فوج کا جائزہ لیا گیا۔ کم سن اور کمزور واپس کر دیئے گئے۔ ان لوگوں کی حسرتوں کا حال کون بیان کرے۔ جو شوقِ جہاد میں گھر سے نکلے اور کمزور ہونے کے باعث لوٹا دیئے گئے۔ اے خدا اس حقیقت کو کوئی کیونکر ہندوستانی مسلمانوں کو اُچھال اُچھال کر دکھائے۔ کہ کمزور شخص اسلام کی فوج کا سپاہی نہیں ہو سکتا۔ اسلحہ بردار قوموں کے مروّجہ معیار صحت پر آج نکل سکے

مسلمانوں کو پرکھ کر دیکھو۔ تو دس فیصدی مسلمان اس پر پورے
نہیں اترتے۔ اسلام ایسے کمزور مسلمانوں ہی سے کمزور ہے۔
بعض ایمان کی قوت کے مدعی جسم کی طاقت کو نظر انداز کر دیتے
ہیں۔ اور یہ خیال نہیں کرتے کہ مسلمان وہی ہے جس کا ایمان اور
جسم دونوں قوی ہیں۔ ورنہ وہ کمزور صحابہ جو جنگِ اُحد میں لوٹا
دیئے گئے تھے۔ کمزور ایمان نہ تھے۔ قومی خطرے کے وقت عالی ہمتی
کے ساتھ بازو میں بل چاہیئے۔ ایسا نہ ہو کہ انسان دشمن پر حملہ
نہ کر سکے۔ اور مخالف کی چوٹ کی تاب نہ لا سکے۔ ایک نوجوان صحابی
رافع بن خدیج سے کہا گیا۔ تم ابھی بچے ہو۔ تو وہ ایڑیاں اٹھا کر
کھڑے ہو گئے۔ میں کس سے کم ہوں۔ آنحضرتؐ کو یہ ادا پسند آئی
اور رافع نے مجاہدین میں شامل رہنے کی سعادت پائی۔ سمرہ نام
ایک اور جوان نے بڑھ کر کہا کہ حضرت میں رافع کو کشتی میں پچھاڑ
لیتا ہوں۔ اگر اسے اجازت ہے تو میں کیوں محروم ہوں۔ غرض دونوں
نے کشتی لڑی۔ سمرہ نے رافع کو زمین پر دے مارا۔ اس نے بھی
کشتی جیت کر اجازت پائی۔

جنگ کے تلخ تجربوں کی بنا پر قریش نے کمال احتیاط سے
صف آرائی کی۔ میمنہ پر خالد اور میسرہ پر عکرمہ کو سردار مقرر کیا۔

تیراندازوں کے دستے اور سواروں کے پہرے موقعہ بموقعہ جمائے۔ اسلامی فوج کا علم مصعبؓ بن عمیر کو ملا۔ زبیرؓ بن العوام افسر رسالہ مقرر ہوئے۔ حضرت حمزہؓ زرہ پوشوں کے کمانڈر بنائے گئے۔ عبداللہؓ بن جبیر ان پچاس تیراندازوں کے ساتھ اسلامی فوج کی پشت پر متعین کئے گئے۔ تاکہ عقب سے حملہ ہو تو یہ سینہ سپر ہوں۔ اُنہیں حکم تھا کہ فتح کی صورت میں بھی یہ اپنی جگہ پر جمے رہیں مبادا دشمن عقب سے حملہ کر دے۔ اور فوج سراسیمہ ہو جائے۔ غرض فریقین ڈٹ کر مقابلہ پر کھڑے طبلِ جنگ کے منتظر تھے۔

خاتونانِ قریش نے دف بجائے۔ اور جوش میں آکر اشعار پڑھے نسوانی آواز نے قریش کو مردانگی پر اُبھارا۔ اُن کا علمبردار طلحہ مست ہو کر جھومتا جھامتا نکلا۔ میدان میں بڑھ کر پکارا۔ کہو مسلمانو! تم میں کوئی ایسا ہے۔ جو مجھ کو دوزخ میں پہنچائے۔ یا ٹھنڈے ٹھنڈے خود بہشت میں پہنچ جائے۔ اس کی خواہش کی تکمیل میں حضرت علیؓ نے بڑھ کر تلوار کا ہاتھ مارا۔ وہ پہلے ہی وار میں فی النار ہوا۔ طلحہ کا بیٹا عثمان علم تھامے چلا۔ عورتیں پُرجوش اشعار پڑھتی ہوئی ہمراہ ہوئیں۔ وہ رجز پڑھتا ہوا میدان میں اُترا۔ حضرت حمزہؓ کی تلوار شانہ سے کمر تک اُتر گئی۔ دستورِ عرب کے مطابق باپ کا نام

نخر سے لیا۔ کہ مَیں ساقی حجاج کا بیٹا ہوں۔ اور یہ کہہ کر بیٹا باپ کے راستہ پر روانہ ہو گیا۔

حضرت حمزہ کی شہادت

اب گھمسان کا رن پڑا۔ حضرت امیر حمزہؓ اور حضرت علیؓ دشمنوں کی صفوں میں گھس گئے۔ آنحضرتؐ نے تلوار ہاتھ میں لیکر فرمایا۔ اس کا مستحق کون ہے۔ کئی ہاتھ بڑھے۔ مگر یہ سعادت ابُو دجانہ عرب کے مشہور پہلوان کے حصّہ میں آئی۔ جو فوراً ہاتھ میں تلوار اور سر پر سُرخ رومال باندھے اتراتا اٹھلاتا بڑھا۔ حضورؐ نے اس چال پر یہ خیال ظاہر فرمایا کہ غرور کا یہ انداز خدا کو ناپسند ہے لیکن اس وقت پسند ہے۔ ابو دجانہؓ دشمنوں کو مارتے گراتے بڑھے جا رہے تھے۔ کہ ہندہ ابوسفیان کی بیوی سامنے آ گئی۔ حضرت ابو دجانہؓ نے تلوار اُس کے سر پر رکھ کر اُٹھا لی۔ کہ رسولِ کریمؐ کی تلوار عورت پر نہیں آزمائی جا سکتی۔ حضرت حمزہؓ کی سیرت کی بڑائی یا کمزوری یہ تھی۔ کہ اُنہیں جنگ میں خطرے کا احساس نہ ہوتا تھا۔ وہ تمام احتیاطوں کو بالائے طاق رکھ کر خطروں میں تن تنہا کود جاتے تھے۔ آج بھی وہ دو دستی تلوار چلاتے بڑھے جاتے تھے۔ دونوں پہلو خالی تھے۔ دست بدست لڑائی میں پہلو کو خالی چھوڑنا موت کو دعوت دینا ہے۔ پہلو بچا کر لڑنے والا ہمیشہ جیت میں رہتا ہے۔ لیکن

عرب کا وہ البیلا بہادر احتیاطوں کو بزدلی سمجھتا تھا۔ اور خالی پہلو بڑھ رہا تھا۔ اس کی فطرت میں خطرے کا احساس کبھی پیدا ہی نہ ہوا تھا۔ جس نے ابوجہل کو صحن حرم میں جا للکارا۔ اور جو ارقم کے مکان پر حضرت عمر رضؓ کے خدشے کو خاطر میں نہ لایا۔ وہی اقلیم نبوت کا شہنشاہ دشمنوں کی صفوں میں گھسا جا رہا تھا۔ جو منہ آنے والوں کو مارتا گراتا تھا۔ اتنے میں جبیر بن مطعم کے وحشی نامی کافر حبشی غلام نے دور سے تاکا۔ حضرت امیر حمزہ رضؓ کے پہلو کو خالی پایا۔ قریب آکر حربہ جو حبشیوں کا مخصوص ہتھیار ہے اس زور سے پھینک مارا کہ ناف کے آرپار ہوگیا۔ حضرت حمزہ رضؓ حملہ کے لئے بڑھے۔ مگر خونی حربہ کام کر چکا تھا۔ لڑکھڑا کر گر پڑے۔ دنیا سے وہ سپاہی اٹھ گیا جو اگر زندہ رہتا اور سرداری کا موقع پاتا تو دنیا کے سردار اس کا لوہا مانتے لیکن مسلمان کے لئے دنیا کی سرداری کی امید میں جینے سے دین کے لئے لڑتے مرنا بدرجہا بہتر ہے شہید غازی سے بہت بلند مرتبت ہوتا ہے۔

حضرت حمزہ رضؓ شہید ہو گئے۔ مگر لڑائی کے دونوں پلّے برابر تھے۔ مسلمان جوش ایمان سے سرمست تھے۔ وہاں قریش نسلی غرور سے سرشار تھے۔ کفّار کا علمبردار ایک پر ایک کٹا مگر علم ہاتھ سے

نہ چھوڑا۔ ایک دفعہ علم زمین پر گرا چاہتا تھا۔ کہ ایک بہادر قریش عورت نے علم سنبھالا۔ اس عورت نے لڑائی کا رُخ بدل دیا۔ قریش ہمّت ہارتے ہارتے پھر سنبھل گئے۔ اور علم گرنے کی نوبت نہ آئی۔ پھر جوش ایمانی کفّار کے غرور پر فتح پاتا دکھائی دیا۔ ابو دجانہ رضؓ اور حضرت علیؓ کی پا مردی نے دشمن کی تلواروں کے منہ موڑ دیئے۔ دشمن پیچھے ہٹا۔ رجز خواں عورتیں بدحواسی میں پیچھے پلٹیں۔ کفّار میں عام سراسیمگی پھیل گئی۔ مسلمان تیرانداز لوٹ کے لالچ میں اپنی جگہ سے ہٹ گئے۔ عبداللہؓ بن جبیر نے ہزار روکا۔ کسی نے ایک نہ سُنی۔ خالد بن ولید نے عقب خالی پاکر مسلمانوں پر پیچھے سے حملہ کر دیا۔ پھر کیا تھا! اپنے بیگانے کا ہوش نہ رہا۔ مسلمانوں نے دشمن سمجھ کر مسلمانوں پر تلواریں چلائیں۔ ہٹو بچو کے شور کے جوش میں کسی نے سنجی خونہ۔ آپس میں تلواریں برستی رہیں۔ حضرت مصعبؓ بن عمیر جو آنحضر سے شکل و شباہت میں کچھ ملتے جلتے تھے، شہید ہوگئے تو شور ہوا کہ سرکارِ دو عالمؐ شہید ہو گئے۔ اس خبرِ وحشت اثر سے مسلمان اور بدحواس ہو گئے۔ کسی نے کہا۔ اب لڑ کر کیا کرینگے۔ کسی نے کہا زندہ رہ کر کیا کریں گے۔ جب فوج میں فتح پانے کی خواہش اور توقع باقی نہ رہے تو شکست یقینی ہوتی ہے۔ مسلمان بد کے ہوتے اونٹ

کی طرح بدحواس اِدھر اُدھر پھر رہے تھے۔ جو سامنے آیا اُس کو
زخم لگایا زخم کھایا۔ لیکن نظام اور انتظام ٹوٹ چکا تھا۔ نہ کوئی
افسر نہ کوئی سپاہی تھا۔ ہر طرف ہڑبونگ مچی ہوئی تھی۔ حضورؐ زندہ
تھے۔ مسلمانوں پر شکست کی کیفیّت طاری تھی۔ حضور کے چہرے
پر مغفر تھا۔ کعبؓ بن مالک نے کسی طرح پہچانا۔ پکار کر کہا مسلمانو!
محمدؐ زندہ ہیں۔ یہ جاں بخش صدا سُن کر کچھ بہادر دشمنوں کی صفوں کو
چیرتے پھاڑتے آنحضرتؐ کی طرف بڑھے۔ اِدھر دشمنوں نے بھی
حضورؐ پر ہجوم کیا۔ اب کفار کی ساری کوشش یہ تھی کہ شمع رسالت
کو ہمیشہ کے لیئے گل کر کے پھر کفر کی تاریکی میں عصیان کی پہلی سی
دھما چوکڑی مچائی جائے معرکہ سخت اور وقت نازک تھا۔ جھٹ شمع رسالت
کے گرد پروانوں نے حلقہ بنایا۔ تلواریں بجلی کی طرح تڑپیں۔ بہادر بادل
کی طرح گرجے۔ تیر بارش کی طرح برسے۔ اسلام کے حلقہ بگوشوں
کا حلقہ ہزار حملوں سے نہ ٹوٹا۔ تلواریں تلواروں سے ٹکرا کر ٹوٹیں۔
ترکش تیروں سے خالی ہو گئے۔ مگر ہمتیں دونوں طرف بندھی رہیں۔
معرکۂ حرب وضرب جاری تھا۔ ادھر زخم خوردہ لوگوں کو قریش کی
عورتیں آغوش میں لے رہی تھیں۔ اور باقیوں کو آمادہ بہ پیکار کر رہی
تھیں۔ ادھر نورانی نبیؐ کی پاک بیبیاں اور صحابہ کرام کی عورتیں

مشکیزے کمر پر لادے اور پائنچے اوپر اُٹھائے دُور سے پانی لا لا کر پیاسوں کی پیاس بجھانے میں پسینہ بہا رہی تھیں۔ دونوں طرف عورتوں کا ایثار قابلِ داد تھا۔ چودھویں صدی کا ہندوستانی جنّتی عورتوں کی شمولیّت جنگ پر ناک بھوں چڑھاتے۔ مگر حق یہ ہے۔ کہ ملکوں اور قوموں کے انتہائی خطرے کے وقت عورت اگر جان پیش کرنے سے گریز کرتی ہے۔ تو اُسے شکست کے بعد دشمن کے سامنے جسم پیش کرنا پڑتا ہے۔ اسی لئے عقلمند اور باغیرت عورتیں اجتماعی خطرے کے سدِباب کے لئے بھائیوں اور بچّوں کو قربانی کے لئے تیار کرتی ہیں۔ تاکہ شکست کے بعد ناموس کی قربانی سے بچ جائیں۔ غلامی پر قناعت کرنے والے مسلمان کیا جانیں۔ کہ نسوانی حُسن اور اس کا سارا غرور فاتح کے قدموں پر عجز اور انکسار سے ڈھیر ہو جاتا ہے۔

ممکن ہے کہ عورت خود جنگ میں بہتر سپاہی نہ ہو۔ لیکن اس میں شبہ نہیں کہ وہ نائرہٗ حرب بھڑکانے اور سپاہیوں کا دل بڑھانے کا کارگر حربہ ہے۔ وہ خود سر تا سر نزاکت ہو۔ مگر نازک وقتوں میں اقوام کو سیسہ پلائی ہوئی دیوار بنا دیتی ہے۔ مرد پر عورت کے اثر کو کم سمجھنے والا کم عقل ہے۔ وہ سینوں میں خواہشوں کے طوفان اُٹھا

کہتی ہے۔ وہ چشم زدن میں کاروانِ ضبط لوٹ لیتی ہے فلسفی کی عقل اور منطقی دماغ کو ہوش سے بیگانہ کر کے اضحوکۂ روزگار بننے کے لئے چھوڑ دیتی ہے۔ بُزدل اس کی للکار سے شیر دل ہوجاتے ہیں۔ اور شیر دل بے جگری سے حملہ آور ہوتے ہیں۔ خدا کی پناہ دیکھو چودہ نازنینانِ قریش سولہ سنگار کر کے پیچھے کھڑی خالبستہ ہاتھوں سے دف بجا بجا کر اور اک ادائے دلبرانہ سے یہ شعر پڑھ پڑھ کر دلوں میں جنگی جوش پیدا کر رہی ہیں:۔

| | |
|---|---|
| نحن بنات الطارق | ہم آسمان کے تاروں کی بیٹیاں ہیں۔ |
| نمشی علی النمارق | ہم قالینوں پر چلنے والیاں ہیں۔ |
| ان تقبلوا نعانق | اگر تم بڑھ کر لڑو گے تو ہم تم سے گلے ملینگی۔ |
| او تدبروا نفارق | اور پیچھے قدم ہٹایا تو الگ ہوجائیں گی۔ |

ان اشعار میں ترغیب و تحریض کی کتنی ترغیبیں پوشیدہ ہیں۔ قریش کا کون نوجوان بارگاہِ ناز سے سرفروشی کا اشارہ پاکر آمادۂ پیکار نہ ہوتا۔

ادھر دیکھو حرم نبویؐ سے پاک بیبیاں صحابۂ کرام کے گھروں سے نیک عورتیں زبان سے اللہ کی حمد و ثنا میں مصروف دل میں غازیوں کی فتح و نصرت کی دعائیں مانگ رہی ہیں اور زخمیوں کی

دیکھ بھال بھی کر رہی ہیں۔ جب گھر کی عورتیں ہی میدان میں موجود ہوں۔ تو مردِ مومن کے گھر میں رکھا ہی کیا ہے۔ جب پاک نبیؐ کی حرم محترم زخمیوں کو پانی پلاتی ہوں۔ پھر کون اُمتی قدم پیچھے ہٹا کر دوزخ کا ایندھن بن سکتا ہے۔

جنگ کچھ دیر پھر ترازو کے تول آئی۔ ماہِ عربؐ کے گرد نیکی کے درخشندہ ستارے ہالہ بنائے مصروفِ رزم تھے۔ جب زیادہ زور پڑتا کچھ فداکار بڑھ کر ریلے کو روکتے۔ زخم لگاتے زخم کھاتے۔ ایک دفعہ کفّار نے بڑا ہجوم کیا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا۔ دیکھیں کون جان پیش کرتا ہے۔ حضرت زیاد بن مسکن پانچ انصار کے ہمراہ بڑھے۔ دُشمن کو پیچھے مار بھگایا۔ لیکن تاج شہادت پہن کر خُدا کی خوشنودی کی بہشت میں داخل ہوئے۔ آنحضرتؐ نے حکم دیا کہ زیاد کا لاشہ لایا جائے۔ حکم کی تعمیل ہوئی۔ ابھی جانباز میں جان باقی تھی۔ اُس نے ہمّت کر کے آنحضرتؐ کے قدموں پر مُنہ رکھ دیا۔ اسی حالت میں عالمِ بقا کو سدھارے۔ موت جو

محبوب کے قدموں میں آئے وہ ہزار زندگی سے بہتر ہے۔

اہلِ ایمان مصائب کے ہجوم میں اور خطرات میں گھر کر زیادہ بے پروا ہو جلتے ہیں۔ گھمسان کا رن تھا۔ ایک صحابی مزے

سے کھجوریں کھا رہے تھے۔ بہت اطمینان سے پوچھا۔ کہ حضور مارا گیا تو کہاں جاؤنگا۔ صحابی اور شہادت کا درجہ نہ پہچانتے۔ نہیں یہ بات نہ تھی۔ بلکہ وہ رسالت پناہی کی جنبشِ لب کی قیمت جان دے کر ادا کرنا چاہتے تھے۔ مارا گیا تو کہاں جاؤنگا کا جواب ملا۔ "جنّت میں" اس بشارت سے بیخود ہوکر وہ اللہ کا نام لے کر دشمنوں کی صفوں میں گھس گئے۔ کلمہ پڑھتے جان بحق ہوئے۔ کیسی مبارک موت تھی۔ قوم کی مدافعت ملک کی آزادی۔ ہمسایہ کی ہوا خواہی۔ غریب کے بچاؤ کے لئے اپنی جان دینا شہادت ہے۔ شہید کی نجات میں شبہ کرنے والا ایمان سے محروم ہے۔

قدرت کی طاقتوں پر اختیار نہ تھا۔ قریش کی بے چین رُوحیں مٹنے یا مٹانے پر تلی ہوئی تھیں۔ تاہم وہ ٹکروں سے اس آہنی دیوار کو ڈھانے میں مصروف تھے۔ اسلام کو اس سے زیادہ بہادر دشمنوں کا مقابلہ کبھی نہ پڑا ہوگا۔ آن پر جان دینے والی قوم کی کیا بات ہے۔ جن کے کفر نے صحابہ کے ایمان کا مقابلہ کیا۔ وہ اہلِ عرب تھے۔ اہلِ عجم تو اسلامی افواج کے مقابلہ میں یوں بے بس ہو گئے، جیسے تند آندھی کے سامنے مچھّر۔

قریش نے صدیوں سے شکست کا نام نہ سُنا تھا۔ اہلِ اسلام

کو وہ بن کی لکڑی سمجھ کر بنظرِ حقارت دیکھتے تھے۔ اور دانت پیس پیس کر حملہ آور ہوتے تھے۔ کئی ناکام یورشوں کے بعد ایک ایک حملہ اس بے جگری سے کیا کہ مسلمانوں کی صفوں میں ہلچل پڑ گئی۔ قریش کے بہادر عبد اللہ بن قمیّہ نے آنحضرتؐ پر اس سرعت سے بڑھ کر وار کیا کہ مسلمان دیکھتے کے دیکھتے رہ گئے۔ تلوار کا وار تو آنحضرتؐ کے چہرے پر پڑا۔ مغفر کی وجہ سے گھاؤ گہرا نہ ہوا۔ مگر چہرہ لہولہان ہوگیا۔ اب دست بدست لڑائی شروع ہوگئی۔ جاں نثاروں نے آنحضرتؐ کے لئے اپنے جسموں کو ڈھال بنایا۔ ابو دجانہؓ حضور پر جھک گئے۔ طلحہؓ نے تلواروں پر ہاتھ روکا۔ ایک بازو کٹ گیا۔ تیروں کی جنگ نیزوں پر نیزوں کی جنگ تلواروں پر آگئی۔ حملہ آور مدافعت کا مرکز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات رہ گئی۔ کفر کے تند بگولے شمع ہدایت کو بجھانے کے لئے اُٹھ رہے تھے۔ موقع بہت نازک تھا۔ اُس وقت آنحضرتؐ کی زبان سے کیا نکلا۔ کوئی بد دعا نہیں بلکہ رحمتِ عالم نے یہ دعا دی:۔

رب اغفر قومی فانھم لا یعلمون — اے خدا میری قوم کو بخش دے۔ وہ نہیں جانتے۔

معرکہ جنگ جاری تھا۔ عمر کے پیمانے لبریز ہو رہے تھے۔

حضرت انسؓ علاتی بھائی طلحہؓ اور سعد وقاصؓ دشمن پر تیر برسا رہے تھے۔ آنحضرتؐ خون سے لت پت تھے۔ خون کے بہنے سے نڈھال ہو کر حضورؐ پکارے۔ وہ قوم جو اپنے پیغمبر کو زخمی کرتی ہے کیا فلاح پا سکتی ہے۔ ارشاد الٰہی ہوا:-

لَیْسَ لَکَ مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ — تم کو اس معاملہ میں کچھ اختیار نہیں۔

یہ ارشاد بھی ہوا اس لئے کہ آنحضرتؐ کا روئے سخن کفار کی طرف تھا۔ حالانکہ پیغمبر کے زخم ان صحابہ کے لئے سامانِ عبرت تھے جنہوں نے جماعت اور فوج کی تنظیم کو لوٹ کے لالچ کے باعث فنا کر دیا۔ سپاہی جو فرض سے کوتاہی کرتا ہے۔ وہ اپنے افسر کی جان پر عذاب لاتا ہے۔ اسلام کی فوج کا ہر سپاہی جو خوف اور لالچ میں آکر اپنا مورچہ چھوڑ جاتا ہے۔ وہ اپنے پیغمبر کے جسم پر کاری ضرب لگاتا ہے۔

جنگ اُحد اہلِ ایمان کے لئے اس امر کا ثبوت ہے کہ دُنیا محض قوّتِ ایمان کے بھروسہ پر فتح نہیں کی جا سکتی۔ ایمان کے ساتھ اسباب اور تدبیر کی بھی ضرورت ہے۔ یُورپ کے ہلاکت خیز اسلحہ کے مقابلہ میں تکبیر کہہ کر بغیر ہتھیار صف آرا ہونا رُوحِ اسلام سے بے خبری ہے۔ جنگِ اُحد میں صحابہؓ کی ذرا سی غلطی سے کیا

روزِ بد دیکھنا نصیب ہوا۔ خدا کا فرستادہ زخموں سے نڈھال ہے۔ اولوالعزم صحابہ بسترِ خاک پر جان دے رہے ہیں۔ یہ سب کچھ عقب کو خالی کر جانے والے تیر اندازوں کے دستہ کا قصور تھا۔
دُنیائے اسلام کی بربادی اور غلامی کا باعث کیا چیز ہے۔ تیاری کے بغیر جنگ، سامان کی کمی، تدبیر کی کوتاہی اور نظام کا فقدان۔
مسلمانو! تم سمجھے کہ اس شکست میں تمہارے لئے عبرت و بصیرت کے کتنے سبق موجود ہیں؟ یاد رکھو! اللہ تبارک و تعالیٰ کو اپنی اس سُنّت پر اصرار ہے۔ کہ قوّتِ ایمان کے ساتھ اسباب اور تدبیر کی بھی ضرورت ہے۔ فتح و کامرانی کا یہ اٹل قانون ہے۔ پاک پیغمبر ہو یا گنہگار انسان سب کے لئے اسباب و تدبیر پر نگاہ رکھنا کامیابی کی شرطِ اوّلیں ہے۔ بیشک اللہ کے بھروسہ پر بے سروسامانی میں کام شروع کر دو۔ لیکن مسلسل محنت اور کوشش سے سامان پیدا کرو۔ اللہ کی دی ہوئی عقل کو کام میں لاؤ۔ کامیابی تمہاری لونڈی اور غلام ہو جائیگی۔ اسباب و تدبیر سے غافل ہونا خدا کے حکم سے غافل ہو جانا ہے۔ یہ حکم ازل سے ابد تک کائنات میں جاری ہے۔ جو فرد یا جماعت اس سے سرتابی کرے گی۔ وہ

ذلیل و خوار ہوگی۔ جب سرورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے ساتھیوں کی غلطی خود آپ کے زخموں کا باعث ہوئی ہے۔ تو بدون اسباب و تدبیرِ دنیا کے زخموں سے کون بچ سکتا ہے۔ پس کامیابی اور کامرانی کے لئے اسباب ڈھونڈو اور تدبیر سے کام لو۔
اس تنبیہ کے بعد تاکہ اُمّت کو آئندہ عبرت رہے۔ خدا نے اپنے پیغمبر کے لئے بچنے کا موقع بہم پہنچایا۔ اور حضورؐ صحابہؓ کے ہمراہ پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ گئے۔ ابوسفیان کے ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے۔ کہ ہاتھ آیا دشمن جاتا رہا۔ چاہا کہ پہاڑ پر چڑھ کر سب کو گھیر لوں۔ صحابہ نے پتھراؤ کیا۔ ابوسفیان نے منہ کی کھائی۔ کھسیانا ہو کر سامنے کی پہاڑی پر چڑھ گیا۔ کم ظرفوں کی طرح طعنہ کے طور پر پکارا۔ یہاں محمدؐ ہیں۔ آنحضرتؐ نے حکم دیا کہ کوئی جواب نہ دے۔ پھر اُس نے ابوبکرؓ اور عمرؓ کا نام لے کر پکارا۔ سکوت طاری رہا۔ ابوسفیان بلند آواز سے پکارا کہ سب مارے گئے۔ حضرت عمرؓ بول اُٹھے۔ کہ اے دشمنِ خدا ہم سب زندہ ہیں جب ابوسفیان خانہ نشین بیوی کی طرح طعنے دے۔ تو سمجھ لو۔ کہ اب اُس کی قوّتِ مردانگی دادِ شجاعت دینے سے انکار کر چکی ہے ورنہ ابوسفیان پھر پہاڑ پر چڑھنے کی سعی کرتا۔ لیکن جواب تک نہ ہوا۔ وہ

اسی کو فتح سمجھتا تھا۔ فیصلہ کن جنگ سے وہ طبعاً گریز کرتا تھا۔ جو کچھ سوچتا تھا۔ وہ اسی کو فتح سمجھتا تھا۔ چنانچہ جب دونوں وقت ملتے، دونوں فوجیں جُدا ہو گئیں۔ ابوسفیان فتح کے پھریرے اُڑاتا پلٹا۔ اور پکارا کہ آج کا دن بدر کے دن کا جواب ہے۔ قریش کی عورتوں نے شہدا کے ناک کان کاٹ کاٹ کر ہندہ کے گلے کا ہار بنایا۔ اور ہندہ اِن پھولوں سے مزّین ہو کر حضرت حمزہؓ کی لاش پر گئی۔ سینۂ بے کینہ کو چاک کیا۔ جوشِ مسرت سے کلیجہ نکالا، مزے لے لے کر کھانے لگی۔ نگل نہ سکی تو اگل دیا۔ ایک ہندہ کا کیا ذکر ہے۔ آج کے دن کسی قریش کے پاؤں زمین پر نہ لگتے تھے۔ مقدّس نبیؐ کے ساتھیوں کے دلوں میں ہوک اُٹھتی تھی۔ بہشت کے شہزادے خاک میں بے گور و کفن پڑے تھے۔

جب دشمن فتح کے شادیانے بجاتا دُور جا چکا۔ تو آنحضرتؐ نے مردوں کے کفن و دفن کا حکم دیا۔ ایک گونہ شکست کی صورت اس پر بے سرو سامانی کا یہ عالم، پانی کی کمی اور آنسوؤں کی روانی میں لاشیں سپردِ خاک کی گئیں۔ کیسا رقت خیز منظر اور کیسی روح فرسا رات تھی۔

نبیؐ کی فرض شناسی انتہائی مصیبت میں بھی حزم و احتیاط کو

ملحوظ رکھنی ہے۔ ہر چند صحابہ زخموں سے چور چور تھے لیکن دشمن کے پلٹ آنے کا خطرہ موجود تھا۔ اس لیے آپؐ نے حفظ ماتقدم کے طور پر مسلمانوں کو خطاب کر کے کہا۔ میرے عزیز ساتھیو! تم میں سے کون دشمن کے تعاقب کو نکلے گا۔ یہ سُن کر ستّر جری جوان سر ہتھیلی پہ رکھ کر نکلے۔

ابوسفیان فتح کی خوشی میں کھویا ہوا جب روحا پہنچا تو طبیعت میں اعتدال پیدا ہوا۔ سوچا کہ میں تو میدان جیت کر بازی ہار بیٹھا۔ اگر محمدؐ اور اس کے ساتھیوں کا خاتمہ آج نہ کیا تو وہ دن کب آئے گا۔ اس لیے پھر اس ارادہ سے پلٹنا چاہا کہ نہ رہے بانس نہ بجے بانسری۔ چل کر محمدؐ کو ختم کر دوں۔ تا کہ اسلام باقی نہ رہے۔ لیکن قبیلہ خزاعہ کا رئیس راہ میں ملا۔ وہ در پردہ مسلمان ہو چکا تھا۔ اُس نے ابوسفیان کو ازراہ ہمدردی سمجھایا۔ کہ محمدؐ فوجِ گراں لے کر آ رہا ہے۔ اب لوٹ جانے میں ہی سلامتی ہے۔ اُونگھتے کو ٹھیلنے کا بہانہ ہو گیا۔ ابوسفیان جلدی جلدی مکّہ پہنچا۔ فتح کی خوشی میں قریش کے گھروں میں گھی کے چراغ جلائے گئے۔ مدینہ ماتم کدہ بن گیا۔

# کون فتحیاب ہُوا

مسلم تیر اندازوں نے لُوٹ کے لالچ میں عقب خالی کر کے مسلمانوں پر مصیبت طاری کر دی۔ ابوسفیان نے فیصلہ کن جنگ کے بغیر حکم واپسی دے کر مسلمانوں کو مٹانے کا موقع کھویا۔ گویا تدبیر اور استقامت کی کمی کے باعث شکست کھا گئے۔ عورتیں دونوں طرف اپنے فرض منصبی ادا کرنے میں آخری وقت تک جان لڑاتی رہیں اور فتحیاب ہوئیں۔ قریش اور مسلمان عورتوں میں فرق یہ تھا۔ کہ اوّل الذکر اشعار میں اپنے حُسن و شباب کا تذکرہ کرتی تھیں۔ اور مؤخر الذکر کی زبان و قلب فتح و نصرت کی دُعاؤں اور ہاتھ پاؤں زخمیوں کی خدمت میں مصروف تھے۔ جہاں قریش کی ایک بہادر عورت علم سنبھال کر لڑائی کا رُخ بدل دیتی ہے۔ وہاں اُم عمارہؓ آنحضرتؐ پر جراح کے اچانک حملے کو بڑھ کر روکتی ہے۔ کندھے پر گہرا زخم کھاتی ہے۔ مگر پیغمبرؐ خدا کو کاری زخم سے بچاتی ہے۔ حضرت حمزہؓ کی بہن صفیہؓ بھائی کی موت کی خبر سُن کر آتی ہے۔ دشمنانِ دین کے ہاتھوں بھائی کی مثلہ کی ہوئی لاش دیکھ کر دُعا

پڑھتی ہے اور خوش لوٹ جاتی ہے۔ بنو دینار کی صاحب ایمان عورت باپ، بھائی اور سرتاج کی شہادت کی خبر کو صبر سے سنتی ہے۔ مگر سرور دو جہاںؐ کی موت کی خبر سے بیتاب ہو کر گھر سے نکلتی ہے۔ جب پیارے پیغمبرؐ کو سلامت پاتی ہے۔ تو کہتی ہے کہ اب ہر مصیبت برداشت ہو سکتی ہے۔ غرض اس جنگ میں مرد ہارا عورت جیتی۔ کیونکہ دونوں طرف سے مردوں نے اس لڑائی میں کوتاہی کی۔ مگر کسی طرف کی عورتوں سے ذرا لغزش نہ ہوئی۔

شکست خوردہ جرنیل اور ناکام لیڈر بے آبرو ہو کر لوگوں کی نظروں سے گر جاتے ہیں۔ اپنے فن میں فتح اور کام میں کامیابی انسان کو عزیز جہاں بناتی ہے۔ لیکن عجب اعجاز ہے کہ یثرب کا سردار شکست کھا کر فاتح سے زیادہ پیارا معلوم ہوتا ہے اگرچہ اُحد کی ناکامی سے ہمسایہ قبائل کے دلوں میں اسلام کا رعب کم ہو گیا۔ مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بدستور مومنین کی آنکھوں کا نور اور دل کا سرور بنے رہے۔ یہ کیوں اس لئے کہ وہ خوف اور لالچ سے پیغمبرؐ کے ساتھ نہ تھے۔ بلکہ اُن کی تعلیم اور سیرت کے گرویدہ تھے۔ مصیبت میں صابر و شاکر مصلح سے

زیادہ محبوب کون ہو سکتا ہے۔ وہ آنحضرتؐ کی اسی ادا پر قربان تھے۔ بیشک تاریکی میں سایہ بھی ساتھ چھوڑ دیتا ہے۔ اور مصیبت میں ساتھی مُنہ موڑ لیتا ہے۔ لیکن وہ لوگ اس قاعدے سے مستثنےٰ ہوتے ہیں۔ جو خوف اور لالچ سے جمعیت فراہم نہیں کرتے۔

سب سے اہم بات یہ تھی کہ حضورؐ نے آج کل کے جھوٹے پیروں کی طرح مسلمانوں کو تعویذ دے کر نہیں کہا تھا کہ جاؤ کامیابی لونڈی غلام ہو جائیگی۔ بلکہ انہوں نے مسلمانوں میں لَیسَ للانسان الا ما سعیٰ کا جادو پھونکا تھا اور صاف صاف بتا دیا تھا۔ کہ کامیابی کا دار و مدار اپنی سعی اور عمل پر ہے۔ مسلمان اپنی غلطی کو اُحد کی شکست کا ذمہ دار سمجھتے تھے۔ انہیں رسول مقبولؐ کے مشن کی سچائی پر شبہ کرنے کی بجائے خود اپنی فروگذاشتوں پر ندامت تھی۔ جس کے باعث جان سے پیارا پیغمبر زخمی ہوا۔ اور خود نقصان مایہ و شماتتِ ہمسایہ کے مورد ٹھہرے۔

---

# ۴ ھ

ابوسفیان جو ابھی تک ہارا نہ جیتا۔ پھر حملہ کی جراَت تو نہ کر سکا۔ مگر مسلمانوں کے خرمنِ امن میں برابر آگ لگانے میں مصروف رہا۔ قریش نے قبیلۂ عضل وقارہ کے کچھ آدمیوں کو گانٹھا۔ اور یہ پٹی پڑھائی کہ مسلمانوں سے جا کر کہو کہ ہم سب مسلمان ہونا چاہتے ہیں۔ اس لئے چند معلّم ہمارے ہمراہ کر دیجئے۔ جب وہ مکر کے پھندے میں پھنس جائیں تو موقع مناسب پاکر انہیں فنا کے گھاٹ اتار دو۔ بدقسمتی سے مسلمان اُن کے دامِ فریب میں آگئے دس معلم عاصم بن ثابت کی سرداری میں اُن کے ہمراہ کر دیئے گئے مشرکین ان مسلمانوں کو دم دے کر مقامِ رجیع تک لائے۔ ادھر بنو عیان کے آدمیوں کو اشارہ کیا۔ وہ دو سو جوان لے کر بیگناہوں پر ٹوٹ پڑے۔ آٹھ کو شہید دو کو گرفتار کیا۔ خبیبؓ اور ایک دو زخمی قیدیوں کو مکّہ لے جا کر قریش کے ہاتھ بیچ ڈالا۔ جنھوں نے بڑا ایک رچایا۔ ان کے قتل کا دن مقرر کر کے رقصِ لبسمل کا تماشہ دیکھنے کو اِدھر اُدھر سے لوگوں کو بلایا۔ موت کے انتظار میں ان بیچارو

کو قید رکھا۔ حضرت خبیبؓ نے حارث کو جنگ اُحد میں قتل کیا تھا۔ اس لئے وہ بھوکے پیاسے حارث کے قیدی رکھے گئے۔
ایک حارث کی نواسی ہاتھ میں چھُری لئے کھیلتی کھلاتی خبیبؓ کے پاس آگئی۔ حضرت چھُری ہاتھ سے لے کر لڑکی کو کھلانے لگے۔ بچّی کی ماں خبیبؓ کے ہاتھ میں چھُری دیکھ کر کانپ گئی۔ حضرت خبیبؓ معاملہ سمجھ کر بولے۔ اے عورت تو یہ سمجھی کہ میں اس معصوم کو قتل کر دونگا۔ یہ مسلمان کا کام نہیں۔
مقتل میں تماشائیوں کا مجمع ہے۔ حارث کا خاندان حضرت خبیبؓ کو کشاں کشاں لاتا ہے۔ مروجہ رسم کے مطابق جلّاد سوال کرتے ہیں۔ کہ تیری کوئی خواہش ہے۔ حضرت خبیبؓ موت کے پہلے نماز کی اجازت مانگتے ہیں۔ اور اجازت پاکر قبلہ رُو ہو کر نماز پڑھتے ہیں۔ پھر اس احتمال سے دو رکعت جلدی ختم کر دیتے ہیں۔ مبادا مشرک سمجھیں کہ مومن موت سے ڈر گیا۔ حضرت خبیبؓ صلیب پر لٹکائے جاتے ہیں۔ چالیس نیزہ باز بے بس پر جھپٹ پڑتے ہیں۔ نیزوں کی انی سے جسم کو چھلنی کرتے ہیں۔ بیان کیا گیا ہے۔ کہ جاں سپاری سے پہلے شہید کی زبان پر یہ شعر جاری اور کفار پر سنّاٹا طاری تھا:۔

وما ابالی حین اقتل مسلماً
علیٰ ای شق کان فی اللہ مصرعی

جب میں اسلام کے لئے قتل کیا جا رہا ہوں تو مجھ کو اس کی پروا نہیں کہ کس پہلو پر قتل کیا جاؤں گا۔

ادھر ایک ستمگار زید کو موت کے گھاٹ اُتارنے کے لئے تلوار تول رہا تھا کہ ابوسفیان نے بڑھ کر پوچھا۔ کہو زید اگر تمہارے بدلے محمد قتل کر دیئے جاتے تو کیا اس کو اپنی خوش قسمتی نہ سمجھتے زیدؓ بولا۔ سنو ابوسفیان۔ سو جان سے پیارے رسولؐ کے پاؤں میں کانٹے کی چبھن برداشت کرنا مشکل ہے۔ مگر جان قربان کرنی آسان ہے۔ ابوسفیان ۲۱ تلخ حقیقت کو سن کر زہر کے گھونٹ پی گیا۔

انہی ایام میں قبیلہ کلاب کا رئیس ابوبراء حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ درخواست کی کہ چند آدمی ایسے میرے ساتھ بھیجیں جو میری قوم میں جا کر دعوتِ دین دیں۔ حضورؐ کو تذبذب تھا۔ مگر ابوبراء مبلّغین کا ضامن بنا۔ ۔ انصار کا قافلہ اللہ کے دین کی اشاعت کو نکلا۔ جب ان درویشوں کا یہ گروہ بیر معونہ کے مقام پر پہنچا۔ تو انہوں نے ایک صحابی حرامؓ کو آنحضرتؐ کا خط دے کر سردار قبیلہ عامر کے پاس بھیجا۔ عامر نے حرامؓ کو شہید کیا۔ اور قبائل میں آدمی دوڑائے ایک بڑا لشکر جمع کیا۔ اور بے خبری میں صحابہ پر ٹوٹ پڑا۔ سب

کو تہ تیغ کر کے صرف ایک شخص عمرؓو کو عامر نے یہ کہہ کر چھوڑ دیا کہ میری ماں نے ایک غلام آزاد کرنے کی منت مانی تھی۔

ان دونوں روح فرسا واقعات کی خبر آنحضرتؐ کو ایک ہی وقت پہنچی۔ اس صدمہ کی کیفیّت بیان کرنے سے بہتر ہے کہ آپ خود ہی اس کیفیّت کا اندازہ کر لیجئے۔

ہجرت کے ابتدائی ایّام میں یہود اپنی قوت کے نشہ میں اسلام کے خطرے کو خاطر میں نہ لاتے۔ جب بدر کے میدان میں قریش کے اقبال کا آفتاب غروب ہوتے دیکھا تو انہیں اپنا مستقبل تاریک نظر آیا۔ اس لئے چاہا کہ اسلام کے چراغ کو پھونکوں سے بجھایا جائے کہا کہ مسلمان ہیں کیا۔ کوئی اُٹھے گا اور چٹکی بجاتے ہیں انہیں مٹا دیگا۔ آخر ان کی شرارت پسندی اسلام دشمنی کی حد تک پہنچ گئی۔ اور وہ بے حد گستاخیاں کرنے لگے۔ آنحضرتؐ پر راہ چلتے آوازے کسنا اُن کا معمول ہو گیا۔ مگر پیغمبر کا دل گردہ تھا۔ کہ آپ سب کچھ سُن کر خاموش رہتے تھے۔ کبھی کسی کے سر نہ آتے تھے۔ ہوتے ہوتے نوبت یہاں تک پہنچی کہ بنو قینقاع نے ایک مسلمان عورت کو بر سر بازار برہنہ کر دیا۔ ایک مسلمان موقع پر پہنچا اور مفسد کا سر تن سے جُدا کیا۔ یہود نے مل کر ہجوم کیا۔ اور مسلمان کی بوٹیاں اُڑا دیں۔

اس کے بعد بلوہ عام ہوگیا۔ حضورؐ بھی جنگ پر مجبور ہوئے۔ بنو قینقاع قلعہ بند ہو گئے۔ بالآخر عبداللہ ابن ابی کی وساطت سے ترکِ وطن کی اجازت چاہی۔ آنحضرتؐ نے خون گرانے سے حتیٰ الوسع اجتناب ہی کیا۔ بنو قینقاع کی درخواست کو قبول کرلیا۔ اور وہ شام میں جا آباد ہوئے۔

سنہ ۴ھ کے واقعات کے ماتحت بیر معونہ کا ذکر آچکا ہے کہ عمروؓ کو عامر نے چھوڑ دیا تھا۔ اُس نے واپسی پر دو راہ گیروں کو اس شبہ میں قتل کر دیا۔ کہ یہ اُن سپاہیوں میں سے ہیں۔ جنھوں نے میرے ساتھیوں پر ہاتھ صاف کیا تھا۔ لیکن یہ دوستدار قبیلہ کے لوگ نکلے۔ آنحضرتؐ نے قصّہ سُنا تو افسوس کیا۔ اور اس قبیلہ کے تالیف قلوب کی خاطر خوں بہا ادا کرنا مناسب سمجھا۔ بنو نضیر بروئے معاہدہ ایک حصّہ خوں بہا کے ذمہ دار تھے۔ سرورِ عالمؐ بنفسِ نفیس ان یہودیوں کے ہاں گئے۔ اُنھوں نے بظاہر ہاں کردی۔ درپردہ چاہا کہ شمع رسالت کو گل کردیں۔ سازش یہ تھی کہ جونہی حضورؐ سایۂ دیوار میں دم لیں عمرو بن حجاش یہودی آنحضرتؐ پر ایک بڑا پتھر بالاخانہ سے لڑھکا دے۔ خدا کے نبیؐ کو دشمنوں کی سازش کا حال معلوم ہوگیا۔ اگرچہ حضورؐ مدینہ میں واپس آگئے مگر بنو نضیر

کے دل میں چور تھا۔ وہ مخالفانہ جوڑ توڑ میں لگ گئے۔ عبد اللہ ابن ابی کی انگیخت اور بنو قریظہ کی معاونت کے بل بوتے پر سرکشی اختیار کی۔ انہیں اپنی قلعہ بندیوں پر بڑا ناز تھا۔ کھلے میدان میں مقابلہ کی تاب نہ لاکر قلعہ بند ہو بیٹھے جب محاصرے کی شدت بڑھی تو آنکھیں کھلیں۔ قیاس کیا کہ مسلمانوں سے ٹدبھیڑ ہوئی تو ان سے عہدہ برآ ہونا آسان نہیں۔ اس لئے بنی قینقاع کی پیروی میں ترکِ وطن کی اجازت چاہی جو منظور ہوئی۔ یہود کے مذہبی غلبہ اور اُن کی رعایت کے سبب بعض انصار کی اولاد نے یہودی مذہب اختیار کر رکھا تھا۔ اس لئے بنو نضیر کے جانے کے وقت یہ نزاع پیدا ہوا۔ کہ بنو نضیر انہیں اتحادِ مذہب کی بنا پر ساتھ لے جانا چاہتے تھے۔ مسلمان روکتے تھے۔ اس وقت قرآن کی یہ آیت اُتری:۔

لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ — مذہب میں زبردستی نہیں

مسلمان خدا کے حکم کے پابند ہو گئے۔ وہ لوگ آزاد ہوئے۔ جہاں چاہیں جائیں۔ جن کے ساتھ رہنا چاہیں رہیں۔ آخر بڑا اودھم مچاتے ناچتے گاتے نواحِ مدینہ سے کوچ کر کے خیبر میں جا بسے۔ اور وہاں بیٹھ کر اسلام کے خلاف ریشہ دوانیوں میں

لگ گئے۔ اس نازک وقت پر اس حکم کی تعمیل اسلام کی انتہائی رواداری کی دلیل ہے۔ قیاس کرو انصار کے لئے وہ نظارہ کس قدر دل شکن ہوگا۔ جب مغلوب دشمن انصار کی اولاد کو فاتحانہ مسرت سے ساتھ لئے جا رہا ہوگا۔ مسلمان خدا کے حکم سے مجبور ٹک ٹک دیدم دم نہ کشیدم کے مصداق اُن کی روانگی کو حسرت و یاس سے دیکھ رہے ہوں گے۔

ہجرت سے مہاجرین نے بیشک کمال کر دکھایا تھا۔ انصار نے مہمان نوازی میں کم ایثار کا ثبوت نہ دیا۔ زندگی میں نو وارد کو شریکِ جائداد کرنا کسی دنیادار سے پوچھو۔ کتنا مشکل ہے لیکن یہ مشکل امر صرف انصارِ مدینہ نے آسان کر دکھایا۔ کامل چار برس ہوئے۔ جنگ کی مصیبت اور ہر وقت کا خطرہ موجود ہے مگر ایسے نامساعد حالات میں کسی میزبان کا کبھی ماتھے پر شکن نہ ڈالنا۔ اندازہ لگاؤ کیسی وسعتِ قلبی کا ثبوت ہے۔ اب جبکہ قسمت نے کسی قدر خوشگوار پلٹا کھایا۔ اور مسلمانوں کے اقبال کا ستارہ چمکا، تو انصار نے اور بھی ایثار کا مظاہرہ کیا۔ کون نہیں جانتا کہ ہر جنگ میں انصار نے بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا۔ اب جب کہ بنو نضیر کی وسیع جائداد کی تقسیم کا سوال پیدا ہوا۔ تو آنحضرتؐ نے انصار سے یوں کہا کہ دیکھو عزیزو! چاہو تو بنو نضیر کا مال و املاک باہم تقسیم کر لو۔ اور اگر

اجازت دو تو خانماں برباد مہاجرین کو سونپ دوں۔ تاکہ تم سبکدوش ہو جاؤ۔ اور وہ اپنے گھر کا بوجھ خود اٹھائیں۔ تم نے سنا۔ حضرت سعد بن معاذؓ اور حضرت سعد بن عبادہؓ نے انصار کی طرف سے کیا جواب دیا۔ کہا کہ اے خدا کے رسولؐ یہ مال و دولت ہمارے غریب الوطن بھائیوں میں تقسیم کر دیجئے۔ اور انہیں بدستور سابق ہمارے ساتھ رہنے کی اجازت دیجئے۔ اس جواب پر حوریں جھوم گئی ہونگی۔ فرشتوں نے خدا کی حمد کا ترانہ گایا ہوگا۔ شیطان سر تھام کر بیٹھ گیا ہوگا۔ ایسے ایثار پیشہ مسلمان کس خاک میں چادر اوڑھ کر سو گئے۔ اب تو جس کو دیکھو اپنے بھائی کا حق دبانے کی فکر میں ہے۔

اہل عرب نے جب دیکھا کہ نور و نکہت کا سیلاب مدینہ سے نکل کر ہر طرف پھیلنے لگا۔ تو ان کے خواب پریشان ہو گئے۔ اور فضا میں برچھیاں تیرتی نظر آئیں۔ بعض قبائل نے اسلام کے خلاف علیحدہ اقدام کیا۔ اور منہ کی کھائی۔ آنحضرتؐ سے زیادہ ہوشیار جرنیل

کون تھا۔ دُشمن کی نقل و حرکت اُن پر آئینہ تھی۔ جونہی بنی مصطلق کے رئیس حارث نے سر اُٹھایا۔ آپ نے صحابہؓ کو ہتھیار باندھنے کا حکم دیا۔ معمولی حرب و ضرب کے بعد دشمن کی جمعیت پریشان ہو گئی۔ حارث کی بیٹی گرفتار ہوئی جس نے آنحضرت صلعم سے شادی کی۔ آپ نے حارث اور بنی مصطلق کی تالیف کے لئے درخواست قبول فرمالی۔ اس ناطہ کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ سب اسیر رہا ہوئے۔ اور ان میں سے اکثر اسلام لائے۔

خدا کے برگزیدہ بندے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کو جس قدر جسمانی یا رُوحانی تکلیفیں پہنچتی ہیں۔ ان میں قضا و قدر نے اُمّت کے لئے ہزاروں عبرتیں پوشیدہ رکھی تھیں۔ غزوۂ اُحد میں مسلمانوں کی شکست آنے والی فرض ناشناس نسلوں کے لئے کس قدر عبرت آفریں ہے۔ غزوۂ مریسیع کی واپسی پر ایک ایسا واقعہ پیش آیا۔ جو سینکڑوں عبرتوں کا حامل ہے۔ غزوہ سے واپسی کا حکم ہو چکا تھا۔ حضرت عائشہؓ جو جنگ میں حضورؐ کے ہمراہ تھیں۔ رفع حاجت کے لئے اُونٹ سے اُتریں۔ فوج نے کوچ کی تیاری کر دی۔ پڑتال کے بغیر رخت سفر باندھ کر سب چل دیئے۔ حضرت عائشہؓ کے رہ جانے کا کسی کو گمان بھی نہ گذرا۔ اُم المومنین فوج کا

نشان نہ پاکر حیران ہوئیں۔ اتفاق سے قافلہ اسلامی کا ایک رکن صفوان جو ہمیشہ قافلہ کے پیچھے پیچھے رہا کرتا تھا۔ تاکہ قافلہ والوں کی گری پڑی چیزیں سنبھال سکے وہاں پہنچا۔ وہ حضرت عائشہؓ کو ہمراہ لے کر مدینہ میں پہنچا۔ ناموس اسلام کے دشمنوں کے ہاتھ بہانہ آ گیا۔ عبداللہ ابن ابی نے اس واقعہ کو خوب اچھالا۔ آنحضرت صلعم نے ایک عرصہ منافقوں کی زبان درازی سے صدمے اٹھائے۔ آخر اللہ تعالےٰ نے ایک آیت سے حضرت عائشہؓ کی برأت کی مسلمانوں نے اطمینان کا اظہار کیا۔

رسولؐ کے نام لیوا مسلمانو! کسی بی بی بہن پر اتہام لگانے کے بجائے اپنے ہاتھوں سے اپنی زبان کاٹ لو۔ تاکہ دوزخ کی آگ سے بچاؤ ہو سکے۔ اور جو کسی وجہ سے پاکباز بیبیوں کی رسوائی کا باعث ہوتا ہے۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صدمہ پہنچانے والوں کی پیروی کر کے انہی کی جائے قیام کے قریب اپنا گھر بناتا ہے۔ حضرت عائشہؓ کے حق میں آیت اترنے سے پہلے جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو انگاروں پر لوٹنا پڑا۔ اس کے بیان سے اس کا تصور بہتر ہے۔ اے افترا پرداز لوگو! امت کی ہر بی بی حضرت عائشہ صدیقہؓ کی اولاد ہے۔ ان مومنو

کی بے آبروئی میں لطف حاصل نہ کرو۔ اور ان زبان درازوں کی حوصلہ افزائی نہ کرو۔ جو خانہ نشینوں کے خلاف افواہیں اُٹھاتے ہیں۔ اِفک کے اس واقعہ میں عبرت کی دُنیا پوشیدہ ہے۔ اور سبق آموزی کے ہزاروں سامان ہیں۔ قضا و قدر کا اشارہ یہ ہے کہ عورت کی آبرو کے معاملہ میں مومن محتاط رہیں۔ خدا کے پیاروں کے جسم و جان پر قدرت مسلسل جراحی کرتی ہے تاکہ طالبانِ جنّت پر مسائلِ حیات اور معاملاتِ زندگی آسانی سے آشکارا ہو جائیں اور ان کی واردات سے سبق سیکھیں۔ عمل سے عاری مسلمان کو کیا کہا جائے۔ جو حضرت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلّم کی زندگی کی مسلسل کاوشوں اور جدوجہد میں بھی اپنے لئے کوئی عبرت نہیں پاسکتے۔ حلقۂ احباب میں بیٹھ کر خوش طبعی اور آرائش محفل کے لئے پاکباز عورتوں کی عصمت پر افترا باندھتے ہیں۔ یاد رکھو۔ ایسے لوگ اپنے پاؤں سے چل کر خود دوزخ میں جاتے ہیں۔

# محمدؐ ابن عبداللہ اور عبداللہ ابن اُبی

جنگ کی آزمائشوں میں سے کامیاب گزرنا آسان ہے۔ دولتِ دُنیا کو دین پر قربان کرنا سہل ہے۔ مگر منافقوں سے نباہ کرنا اور ان کی ہزار ہا شرانگیزیوں کے باوجود ایک دفعہ بھی اُن سے تعرض نہ کرنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی حوصلہ ہے۔ سانپ کے سامنے دودھ رکھ کر ہٹ جانا ممکن ہے۔ مگر مارِ آستین منافق کو پالنا پیغمبری ہے۔ دیکھو محمد ابن عبداللہ اور عبداللہ ابن اُبی میں خلوص و نفاق کا معرکہ جاری ہے۔ ابنِ اُبی آتش خاموش ہے۔ ابن عبداللہ دامنِ عافیت ہے۔ اس تماشاگاہ عالم میں کسی نے یہ کھیل کب دیکھا تھا۔ کہ دامنِ کرم آتشِ سوزاں کو پناہ دے رسولؐ کے کمالِ اخلاق نے دُنیا کو یہ تماشا کامیابی سے دکھایا۔ ابنِ ابی مسلمان ہو کر عمر بھر مسلمانوں کو خاک میں ملانے کے منصوبے کرتا ہے۔ مگر پاک سرشت پیغمبرؐ کے شیشۂ دل پر غبار نہیں آتا۔ وہ آتشِ فساد بھڑکاتا ہے۔ یہ رحمت و کرم کی بارش برساتے ہیں۔ پیغمبرؐ کے صبر کو دیکھ کر صحابہؓ بے صبر ہو جاتے ہیں۔ تو بھی آنحضرت

تحمّل کی تلقین فرماتے ہیں۔ عبداللہ ابنِ اُبی کبھی مکّہ سے مصیبت کی آندھی اُٹھا لاتا ہے۔ اور خود تاریکی میں سایہ کی طرح جدا ہو جاتا ہے۔ کبھی اُمہاتؓ پر اتہام لگا کر رسالتمآبؐ کے گھر اطمینان کی جنّت کو دوزخ بنانے کی سعی کرتا ہے لیکن آنحضرتؐ گرم مزاجی کا مظاہرہ نہیں فرماتے۔ وہ کبھی اس قبیلہ کو کبھی اُس قبیلہ کو اُکساتا ہے۔ مگر رسولِ کریمؐ صلی اللہ علیہ وسلّم کے ماتھے پر شکن نہیں پاتا۔ آخر وہ جنگ احزاب میں قبیلوں کے لشکر چڑھا لاتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کھُلے دشمنوں کا خندق تو میں چھپ کر مقابلہ کرتے ہیں۔ مگر اس چھپے دشمن کو علانیہ نہیں ٹوکتے۔ اصحابؓ اس شر انگیز کو موت کے گھاٹ اُتارنے کی اجازت مانگتے ہیں حلم و عفو کے پُتلے نے کہا۔ دوستو! دُنیا کہے گی۔ محمدؐ نے ایک ساتھی کو قتل کر دیا۔ مخلص بیٹا منافق باپ عبداللہ ابن ابی کے قتل کی اجازت چاہتا ہے۔ لیکن اس کی اجازت نہ پا کر واپس لوٹ جاتا ہے۔ یوں تو مسلمانوں کے ہاتھوں سینکڑوں مغروروں کے سر مدینے کی خاک میں مل گئے۔ عبداللہ ابن اُبی کی گوشمالی کچھ زیادہ قیامت خیز نہ تھی۔ لیکن یہاں اُمّت میں یہ سُنّت جاری کرنا مقصود تھی۔ کہ جو بظاہر اسلام کے دامن میں پناہ لے اُس پر

کوئی اُنگلی نہ اُٹھائے۔ آنحضرت صلعم ہر چند فتنہ ساماں منافقوں
کی فساد انگیزیوں سے تنگ تھے۔ لیکن کبھی نام لے کر حرف شکایت
زبان پر نہ لاتے تھے۔ جس طرح نسیم صبح کانٹوں اور پھولوں میں سے
یکساں گزرتی ہے۔ اسی طرح آنحضرت صلعم مومنین اور منافقین
میں گزر اوقات کرتے تھے۔ کیا مجال کہ کبھی کسی کا نام لے کر کسی کو
فہمائش کرنا ثابت ہو۔ کبھی اشد ضرورت داعی ہوئی تو فرمایا۔ کہ ان لوگوں کا کیا
حال ہوگا۔ جو ایسا کہتے اور کرتے ہیں۔ پاک نبیؐ اشاروں سے
نصیحت ارشاد فرمایا کرتے تھے۔ باوجود اس حکم کے منافق شکر چڑھا
زہر بنے رہے۔ آپ نے ان کے اعمال کی حقیقت کو کبھی واشگاف
بیان نہ فرمایا۔ لیکن باوجود اس کمالِ عفو اور درگذر کے یاد رہے۔
کہ منافقوں کی مضرت رساں چالیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی
دوررس نظر سے چھپی ہوئی نہ تھیں۔ منافق جتنا کاتتے تھے مسلمان
اُس کی روئی بنا دیتے تھے۔ منافقین کی تدبیر کو مومنین کی فراست
کے مقابلہ میں ہمیشہ ہتھیار ڈالنے پڑے۔ بھلا وہ مومن ہی کیا جو
مکر کے پھندے میں مکمہ پھنس جائے۔ اور ایک سوراخ سے دوبارہ
ڈسا جاتے۔ عبداللہ بن اُبی ہر چند بڑا ترکیبا تھا۔ مگر پیغمبر صلی اللہ
علیہ وسلّم کے حزم و احتیاط اور تدبیر کے سامنے سب ترکیبیں دھری

رہ گئیں۔ اپنی ہر چال میں مات کھا کر منافقوں کا رئیس آخر موت کی گھڑیاں گننے لگا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عروج اور اپنے زوال کے غم میں گھل گھل کر جان پروردگار جہاں کے سپرد کی۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی عبا اس پر اوڑھائی۔ خود قبر میں اُتارا اور دُعا کی۔ دُنیا نے اس نظارہ کو دیکھ کر کہا۔ کہ حلم و عفو نے نفاق اور حسد کو خاک میں ملا دیا۔

---

فتح مشکل پسند ہے۔ ناکامی راحت طلبی کا نام۔ خدا کے رسول پر تکلیفوں کا ہجوم رہا۔ لیکن انہی مصیبتوں کے بادل سے اس کے اقبال کا آفتاب تابندہ نکلا۔ بنو نضیر نے خیبر میں آباد ہو کر مسلمانوں کی بربادی کے مشورے کئے۔ خود کمر ہمت کس کر تدبیر کے گھوڑے دوڑانے شروع کئے۔ اسلام کی سلامتی کو خطرہ کا پیش خیمہ ظاہر کر کے قبائل کے تعصب کو برانگیختہ کیا۔ آخر بنو نضیر کا اُٹھایا ہوا فتنہ بڑھ کر قیامت ہونے لگا۔ تمام قبائل متحد ہو کر مسلمانوں کو کچل ڈالنے

کے ارادے سے تیار ہوئے۔ عاقبت اندیش پیغمبرؐ کی نگاہ دُور بیں نے
اس طوفان کو دیکھا۔ مسلمانوں کو جمع کر کے خطرہ کی طرف اشارہ کیا۔
سلمانؓ فارسی نے عجمی طریقۂ جنگ کے مطابق خندق کھود کر محفوظ
ہونے کا مشورہ دیا۔ تاکہ دشمن اگر بار اُتر آئے تو زندہ نہ جائے
حضرت سلمانؓ فارسی کی تدبیر اسلام کی فتح کا ذریعہ بن گئی۔ ورنہ
چوبیس ہزار کیل کانٹے سے لیس دشمنوں سے تین ہزار بے سرو سامان
مسلمانوں کا کیا مقابلہ تھا۔ دیکھو دشمن قبائل کے سردار لاؤ لشکر لئے
منزلیں طے کرتے مدینہ کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ لڑائی سے پہلے ہی
فتح کے نشہ میں جھوم رہے ہیں۔ ادھر خدا کی حمد و تقدیس بیان کرنے
مومن پیٹ پر پتھر باندھ کر مٹی میں اَٹے ہوئے خندق کھود رہے
ہیں۔ وہ پیغمبر جس کا ذکر آسمان پر ہے۔ زمین پر ایک بے کس مزدور
کی طرح مٹی کھود کھود کر خندق کے باہر پھینک رہا ہے۔ نبیؐ
اور اُمتی میں کوئی پہچان نہیں۔ خاکساروں کی یہ جماعت سر سے
پاؤں تک گرد و غبار کے لباس میں ملبوس ہے۔ سب پر تین دن
کا فاقہ۔ اس پر یہ محنتِ شاقہ۔ لیکن صبر و شکر نے اُن کی نظروں کے
سامنے اطمینان کی جنّت کھول رکھی ہے۔ اور وہ کامل سکون سے
باہم مل کر یہ شعر پڑھتے ہیں:۔

نحن الذی بایعوا محمدًا — ہم نے محمد کے ہاتھ پر ہمیشہ کے لئے
علی الاسلام مابقینا ابدًا — اسلام کی بیعت کر رکھی ہے

دُنیا میں سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کون ہو سکتا تھا۔ کہ لوگ اُس کے ہاتھ پر بیعت کریں۔ شرف و شعور کے لحاظ سے کوئی انسان اُن کے ہم پلّہ پیدا ہوا ہے؟ حرب و ضرب میں کون اُن کی ٹکّر کا ہے۔ خندق کھودتے ایک چٹان حائل نظر آتی ہے۔ صحابہؓ ایک ایک کر کے ایڑی چوٹی کا زور لگاتے ہیں۔ اور تھک ہار کر بیٹھ جاتے ہیں۔ آخر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جن کی ہمّت کسی شکست کو قبول نہیں کرتی آگے بڑھتے ہیں۔ باوجود مسلسل فاقہ کے اپنے آہنی ارادہ سے پتھر کو توڑ کر رکھ دیتے ہیں۔ آخر مجاہدین کے گروہ نے جن کی جان میں نیکی کا نور لہرا رہا تھا۔ کام کو انجام تک پہنچایا۔ اگرچہ محنت اور فاقہ سے اُن کے چہرے کملائے ہوئے تھے۔ لیکن ان میں حُسنِ سرمدی کی مقدس لطافتیں جھلک رہی تھیں۔ خندق کی کھدائی ختم ہوئی ہی تھی کہ جنگ کا آغاز ہو گیا۔ منافقین نے مومنین سے یہ کہہ کر کنارہ کیا۔ کہ ان کے گھر غیر محفوظ ہیں۔ بنو قریظہ نے بھی عین وقت پر مشکوک روش اختیار کی۔ آنحضرتؐ نے سعدؓ بن معاذ اور سعدؓ بن عبادہ کو ان لغلی گھونسلوں کے

پاس سفیر بنا کر بھیجا کہ دیکھو قول نہ ہارو۔ یہود نے جواب دیا کہ ہم نہیں جانتے کہ محمدؐ کون ہے اور قول کیا ہے۔ اور اقرار کیا ہے۔ اِدھر دشمن کا ڈر اُدھر حلیفوں سے مایوسی۔ ناچار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلۂ غطفان سے اس شرط پر معاہدہ کرنا چاہا کہ مدینہ کی پیداوار کی ایک تہائی اُن کو دی جائے۔

جنگی کونسل طلب ہوئی۔ انصار کے سردار سعدؓ بن عبادہ اور سعد بن معاذ نے مداخلت کر کے پوچھا کہ یہ حضورؐ کی رائے ہے یا خدا کا حکم۔ آخری صورت میں تو سرتابی کی تاب نہیں۔ البتہ مشورہ کی صورت میں ہماری رائے یہ ہے۔ کہ ہم نے کفر کی حالت میں کسی کو خراج نہیں دیا۔ اسلام کے غلام کسی کے باجگذار کیسے بن سکتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُن کے ہمثال استقلال کو دیکھ کر خوش ہو گئے۔ دین کے دشمنوں کو کہا گیا کہ جاؤ جو بن آئے کر دکھاؤ۔

دشمن کی حوصلہ مندیاں رزم آرائی کے لئے بے تاب تھیں۔ وہ کثرتِ تعداد کے بل بوتے پر سیلاب کی طرح اُمڈے چلے آتے تھے۔ مسلمانوں کو حقیر سمجھنے والوں نے جب سامنے خندق کھدی دیکھی تو حیرانی سے خندق کی طرح مُنہ کھُلے کا کھلا رہ گیا۔ مسلمانوں کے اِس

اسلوبِ جنگ کا جواب نہ بن آیا۔ ناچار محاصرہ کیا۔ دُور سے تیروں کا مینہ برسانے لگے۔ ادھر محاصرہ کی شدّت اور رسد کی قلت ستم ڈھا رہی تھی۔ ادھر بنو قریظہ کا خطرہ تھا۔ تاہم مسلمان صبر و استقلال سے خم ٹھونکے کھڑے تھے۔ بنی قریظہ کی دست درازیوں کے احتمال سے عورتوں کو قلعہ میں بھیج دیا گیا۔ خود اللہ کے بھروسے پر ٹڈی دل قبائل کا مقابلہ کرنے کے لئے یکسو ہو گئے۔ ایک جگہ سے خندق کا پاٹ کم تھا۔ یہی مقام حملہ کا مرکز ٹھہرا۔ دشمن نے جان توڑ کوشش کی، قبائل الگ الگ اور مل مل کر حملہ آور ہوئے۔ مگر اُن کی ہر یورش پر خاک پڑی۔ اور وہ خندق عبور نہ کر سکے۔ اگر وہ اپنے ارادہ میں کامیاب ہو جاتے اور خندق عبور کر آتے تو مسلمانوں کا قلع قمع مشکل نہ تھا۔ مسلمانوں پر بیم و رجا کی کیفیت کا اندازہ اسی ایک امر سے ہو سکتا ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس لڑائی میں متصل چار نمازیں قضا ہوئیں۔

نماز محبّت ہے اور جہاد فرض۔ ادائے فرض کے لئے محبت کا ترک معیوب نہیں۔ ازل کی جلوہ پاشیوں سے لطف اندوزی نماز ہے۔ نور و ضیا کی دلفریب وادی سے نکل کر فرض کی خاردار گھاٹیوں میں آنا جہاد ہے۔ مَیں نماز کی قدر کم نہیں کرتا۔ بلکہ حق یہ

ہے کہ جہاد کو نماز پر فضیلت ہے۔ لیکن اب تو نمازیں پڑھ کر ہی فرائض سے مسلمان سبکدوش ہو جاتا ہے۔ قوم کے حفظ و بقا کے لئے جد و جہد گویا مسلمان کے وظیفۂ حیات میں داخل ہی نہیں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنگِ احزاب میں مصروفِ جہاد رہنے کے بجائے مشغولِ نماز ہو جاتے تو حفظ و بقا کی تدبیریں جو جرنیل کا مقدس فرض ہے غفلت ہو جاتی۔ ناکام لیڈر اور شکست خوردہ جرنیل دنیا کا بدترین انسان ہے۔ وہ سوءِ تدبیر سے نسلوں کو فنا کرتا ہے۔ ملک کی بے شمار بدقسمتیوں کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ سپاہی اور حربی لیڈر کی تدبیر سے قوم کی قسمت ہمیشہ وابستہ ہوتی ہے۔

دیکھو وہ کشور کشا قلب لشکر میں کھڑا فوج کی نقل و حرکت کا جائزہ لے رہا ہے۔ اس کی دور رس نظر دشمن کے کُل اور جزو کو دیکھتی ہے۔ مخالف جدھر دباؤ ڈالتا ہے۔ ادھر سے وہیں زور ڈالا جاتا ہے۔ تاہم عام حملہ میں ضرار، جبیرہ، نوفل، عمرو بن عبد ود عرب کے نامور سرداروں نے گھوڑوں کو مہمیز کیا۔ اور خندق کے اس پار آ گئے۔ عمرو بن عبد ود ۹۰ برس کی عمر میں بھی لوہے کے سانچے میں ڈھلا ہوا تھا۔ اور بڑھاپے میں جوانوں کو خاطر میں نہ لانے والا

اس نے دستورِ عرب کے مطابق مقابلے کے لیئے پکارا۔ مسلمانوں میں اس کے مقابلے کی ٹکّر کا کون تھا۔ ہر طرف سنّاٹا ہو گیا۔ بلند عزم علیؓ جن کی بے پناہ تلوار سے کوئی بچ نہ سکا اُٹھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا۔ علیؓ یہ عمرو ہے۔ علیؓ نے عرض کی میں جانتا ہوں۔

کسی کو اُمید نہ تھی کہ دست بدست لڑائی میں کوئی عمرو کے مُنہ آسکے گا۔ علیؓ پیدل تھے اور عمرو سوار۔ بہادر کی غیرت نے یہ گوارا نہ کیا۔ اس لیئے گھوڑے سے اُتر کر زمین پر آگیا۔ بُوڑھا اور جوان دونوں ڈھال اور تلوار کے جوہر دکھانے لگے۔ نہ علیؓ آج تک ہارے تھے۔ نہ عمرو کو کسی نے پچھاڑا تھا۔ ہر طرف خاموشی طاری تھی۔ شہ زور بُوڑھے نے اس بے جگری سے حضرت علیؓ پر حملہ کیا۔ کہ تلوار سپر سے ڈوب کر علیؓ کی پیشانی پر لگی۔ اگرچہ زخم کاری نہ تھا۔ مگر خون کا دھارا بہ نکلا۔ عالی ہمّت علیؓ سراسیمہ نہ ہوتے۔ بلکہ زخمی شیر کی طرح حملہ کیا۔ تلوار عمرو کا شانہ کاٹ کر نیچے اُتری۔ عمرو اُف کہہ کر گرا۔ علیؓ نے تکبیر کا نعرہ بلند کیا۔ مسلمان فتح کی خوشی میں اُچھلے۔ کفار کے ہاں پٹس پڑ گئی۔ عمرو کے بعد کس کی ہمّت تھی کہ ٹھہر سکتا۔ پھر دشمن کو خندق پار آنے کی ہمّت نہ ہوئی۔ اب اس امید پر ڈیرے ڈال کر پڑ گئے

کہ محاصرہ کا طول محصورین کو ہتھیار ڈالنے پر مجبور کر دے گا لیکن خدا کی مہربانی یہ ہوئی۔ کہ ہوا کی تیزی نے طوفان کی صورت اختیار کی۔ خیمے اکھڑ گئے۔ فوج میں افراتفری مچ گئی۔ باد و باراں میں دشمن کو خدائی ہاتھ چھپا دکھائی دیا۔ تو میرے میں تیرے آگے بھاگا۔ مطلع صاف ہوتے ہی میدان بھی صاف ہو گیا۔ ہر چند مستورات کے لئے محفوظ مقام کا انتظام تھا۔ مگر بنی قریظہ نے عورتوں پر ہاتھ اٹھانے کی سعی کی۔ ایک یہودی تو قلعہ کے قریب آ گیا۔ حضرت صفیہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی نے کمال ہمت سے خیمہ کی چوب سے اس کا سر پھوڑا اور سر کاٹ کر قلعہ کے نیچے پھینک دیا۔ اب یہودیوں کو یقین ہو گیا کہ قلعہ میں عورتوں کے ساتھ مرد بھی ہیں۔

احد کی شکست کے بعد جنگ خندق میں کامیابی سے مسلمانو کی پھر سے دھاک بندھ گئی۔ اسلام پراگندہ حالی سے نکل کر ایک قوت قرار پا گیا۔ سلمانؓ فارسی کی تدبیر اور اس تدبیر کے مطابق پیغمبر کے عمل نے مسلمانوں کی قسمت کا پانسہ پلٹ دیا۔ عرب کا سردار عجم کے طریقہ جنگ سے فائدہ نہ اٹھاتا۔ تو نتیجہ جنگ مشتبہ ہوتا۔ پیغمبر جو براہ راست اکتساب علم کرتے ہیں۔ امور دنیا میں وہ

دُنیاداروں کے تجربے سے فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ اور اپنے زمانہ کی ترقیوں سے فائدہ اُٹھانا جب پیغمبر کے لئے بھی معیوب نہیں تو اُمتی کے لئے تو بدرجۂ اولیٰ فرض ہے۔ جو علم مخالف اخلاق نہیں وہ رحمت ہے۔ اُس کا حاصل کرنا نیکی ہے۔ علم کی ترویج میں رُکاوٹ پیدا کرنا نامسلمانی ہے۔ نئی ایجاد سے فائدہ اُٹھانا اسلام کی ترقی کے لئے ضروری ہے۔ عرب کے بدوؤں کی طرح نہ کرنا کہ ٹیلیفون کو بدعت اور اُس کی آواز کو صوت الشیطان کہہ دیا۔ آلات کو زمین پر گرا کر لاحول پڑھ کر بھاگ جاؤ۔ اور ملک میں ریل جاری ہو تو قبیلہ کے لوگوں کو مدد کے لئے پکارو۔ اور سب لاٹھیاں لے کر انجن پر پل پڑو۔ تاکہ اُونٹ کی طرح مار مار کر اُس کو ملک سے نکال دو۔ مسلمان کی شان یہ ہے کہ وہ مرکزِ علم و ہنر اور سرچشمۂ فیض و کرم ہو۔ جس طرح رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں سب پیغمبروں کے فضائل تھے۔ اسی طرح آپ کی امت میں اپنے عہد کی خوبیاں موجود ہونا چاہئیں۔ تاکہ دُنیا کی راہنمائی کی کفیل ہو سکے۔

عقل کے دشمنوں نے دُنیا کے حالات سے بے خبری کا نام نیکی رکھ دیا۔ اپنے نفع و نقصان اور اپنی قوم کے نفع و نقصان سے غافل وقت کے ولی کہلانے لگے۔ نیکی اور بھلائی کیا ہے۔ اس کا جواب

آنحضرتؐ کے عمل سے ڈھونڈنا چاہیئے۔ آپ جونہی جنگِ احزاب
سے فارغ ہوئے بنو قریظہ کو باز پرس کے لئے بلا بھیجا لیکن وہ
تو بنو نضیر کے سردار اور اسلام کے مشہور دشمن ابن اخطب کے
بھڑکائے ہوئے تھے۔ محمد صلعم کے دامنِ کرم میں پناہ پانے کو
وہ گناہ سمجھنے لگے تھے۔ اور زبان کے بجائے تلوار سے فیصلہ چاہتے
تھے۔ آمادہ بہ پیکار ہمسایہ دنیا کی سب سے بڑی مصیبت ہے۔
پیغمبرؐ کب تک قوم کو اس خطرے اور مصیبت میں ڈالے رکھتے۔
اور سر نہ آنتے خصوصاً ایسی صورت میں جب کہ بنو قریظہ سر دھڑ
کی بازی لگانے کی پوری تیاری کر چکے ہوں۔ فوج کو کمریں کھول
دینے کا حکم نہ دیا جا سکتا تھا مجبوراً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم
نے فوج کو بنو قریظہ کی قلعہ بندیوں کی طرف بڑھنے کا حکم دیا۔
انہیں اپنے استحکامات پر بڑا ناز تھا۔ لیکن غرور کب کسی کے کام آیا
ہے۔ ۲۵ روز کے محاصرے کے بعد رسد ختم ہو گئی۔ اور چھٹی کا دودھ
یاد آ گیا۔ صلح کے ڈورے ڈالنے شروع کئے۔ بد اعتمادی اور غرور
کے ملے جلے جذبات کا نتیجہ تھا کہ انہوں نے رسولِ خدا صلی اللہ
علیہ وسلّم کو حکم بنانے کے بجائے اپنی قسمت کا فیصلہ اَوس کے
سردار حضرت سعد بن معاذ کے سپرد کر دینے پر آمادگی ظاہر کی۔

حضرت سعد بن معاذ ان کے حلیف تھے۔ اس بنا پر ان سے نرم فیصلہ کی امید لگا کر بیٹھ گئے۔ سعد بن معاذ جنگجو سپاہی تھے۔ سپاہی کے نزدیک جو قیمت اُن کی اپنی جان کی ہے۔ وُہی قدر دوسروں کی زندگیوں کی ہے۔ مغلوب ہو گئے تو مرنے کا افسوس نہیں۔ غالب ہوئے تو مار ڈالنے میں تردد نہیں۔ بنو قریظہ کی تقدیر نے ان کی عقل پر پردہ ڈال دیا۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر سعد کو ترجیح دی۔ رحمِ مجسم کی بجائے جنگجو سپاہی کے ہاتھ میں فیصلہ دے دیا۔ سعد بن معاذ اسی جنگ میں ایسے زخمی ہو چکے تھے کہ جاں بر نہ ہو سکے۔ زخمی شیر نے یہودی شریعت کے مطابق سب کا سر قلم کرنے کا فیصلہ کر دیا۔ مسلمانوں کی گردنیں اس فیصلہ کی سختی سے جُھک گئیں۔

معترض! معاذ کو مطعون نہ کر، زخمی شیر کے حملے اور جنگجو سپاہی کے فیصلے ایسے ہی بے پناہ ہوتے ہیں۔ معاذ جیسے بے باک سپاہی سے رحم کی امید کرنا اور وہ امید پوری نہ ہونے کی کی صورت میں اسلام کو ہدفِ ملامت بنانا بے انصافی ہے۔ معاذ کی سیرت کا مطالعہ کرو۔ اپنی آتش مزاجی سے مجبور تھے۔ اور صلح کے ارادوں میں بھی پہاڑ کی طرح حائل ہو جاتے تھے۔ اِسی

جنگ میں بنو غطفان سے صلح کے راستے کون روک کر کھڑا ہو گیا تھا پھر اسی جنگ میں ان کے زخمی ہونے کے واقعہ پر نظر ڈالو۔ کسی مصروفیت کے باعث معاذ کو جنگ میں پہنچنے سے دیر ہو گئی وہ ہاتھ میں حربہ لئے زرہ بکتر پہنے بغیر محاذ جنگ کی طرف بھاگتے ہیں۔ بہادر ماں اس دلیری پر بیٹے کو ملامت کرتی ہے۔ مگر یہ اپنی فطرت میں بے باک ملامت اور شاباش سے بے نیاز میدانِ محاربہ کی طرف بھاگے جا رہے ہیں۔ جنگ کے جوش میں زرہ بکتر کا بھی خیال نہیں رہا۔ جسم کے بعض حصے تیروں کا نشانہ بننے کے لئے کھلے ہیں۔ اور اس حالت میں جانباز سپاہی کی زبان پر یہ جنگی ترانہ ہے:-

| | |
|---|---|
| لبث قلیلا و تند رک الهیجا فجل | ذرا ٹھہر جا تا کہ لڑائی میں ایک اور شخص |
| لا باس بالموت اذا الموت نزل | پہنچ لے جب وقت آ گیا تو موت سے |
| | کیا ڈر ہے۔ |

اسی حالت میں کھلے ہاتھ میں تیر آ لگتا ہے۔ اور اکحل کی رگ کٹ جاتی ہے۔ یہی زخم موت کا باعث ثابت ہوتا ہے۔ انصاف کرو ایسے شخص سے ان حالات میں اور کس فیصلہ کی توقع ہو سکتی تھی اور جبکہ ملک کا مروّجہ قانونِ جنگ بھی یہی تھا۔ غیر معمولی حالات

ہیں غیر معمولی فیصلے کا حق متمدّن قوم ہیں اب تک محفوظ ہے۔ یورپ کے مسیحی معترض اس واقعہ کو اب تک اُچھال رہے ہیں بیشک اس فیصلہ پر عملدر آمد کیا گیا۔ چودہ سو سال گذرے۔ زمانہ کے اس فیصلہ کا مقابلہ اس دورِ ترقی و تہذیب کے تازہ واقعات سے کرو۔ دیکھو ہٹلر نے جرمنی ہیں کیا کیا۔ اپنی نہتّی اور بے عذر رعایا کو کس طرح کاٹ کے ڈال دیا۔ برخلاف اس کے معاذ کے اس فیصلہ کے خلاف جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے پاس اپیل کی اُس کی جان بخشی کر دی گئی۔ بے شک رحم کی اپیل کرنے والے کم تھے۔ مگر اس ہیں رحمدل پیغمبر کا کیا قصور ہے۔ عرب بہادر تھے۔ وہ زندگی کے لئے دشمن کے سامنے رحم کی درخواست اپنی عزّتِ نفس کے منافی سمجھتے تھے۔ ان یہود کے لئے درخواست مشکل اور پیغمبر کے لئے سرکشوں کو چھوڑنا نا ممکن تھا۔ بنو نضیر کا تلخ تجربہ عفوِ عام سے روکتا تھا۔ بے محل رحم جو اپنی قوم کو خطرے ہیں ڈال دے گناہ عظیم ہے۔ چور پر ظلم کار واں پر رحم ہے۔

خالق نے عورت کا خمیر محبت سے اُٹھایا ہے۔ محبّت ہی اس کی کل کائنات ہے۔ اس لئے گرے پڑے کی امداد، بیمار کی تیمار داری

زخمیوں کی مرہم پٹی اس کا وظیفہ حیات ہے۔ فطرت شناس پیغمبر نے بی بی رفیدہ کو زخمیوں کی دیکھ بھال کی اجازت دے رکھی تھی۔ مسجد نبوی میں اس خاتون کا خیمہ تھا۔ حضرت سعد کا علاج اسی خاتون کے سپرد تھا۔ لوگ کہتے ہیں۔ زمانہ آگے بڑھ رہا ہے۔ مسلمان کی نظروں میں پیچھے ہٹ رہا ہے۔ کاش وہ اس طور سے پیچھے ہٹے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے وقت کی رسم و رسوم ہم میں جاری ہو جائیں۔ ہماری عجمی غیرت نے عورت کو چھوئی موئی بنا رکھا ہے۔ اسے اسلامی روایات کے مطابق مناسب آزادی ملے۔ اور وہ اپنے فرائض کو کما حقہ، انجام دینے کے قابل ہو جائے۔ کون مقتدائے مذہب ہے۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی طرح رواداری دکھائے۔ اور بہنوں بیٹیوں کو اتنی تعلیم دلائے۔ کہ وہ امن کے وقت عورتوں اور بچّوں کا علاج اور تیمار داری کر سکیں۔ اور جنگ میں زخمیوں کو سنبھال سکیں۔

---

# یادِ وطن

وطن سے دوری اور محبوب کی مہجوری نے کس کو ماہیِ بے آب نہ کیا۔ اولاد اور وطن کے لئے خوبصورتی اور شادابی شرط نہیں۔ ماتا حسن وجمال کی پابند نہیں۔ نہ حبِّ وطن مناظر کی دلکشی کی رہینِ منّت ہے۔ وطن پیارا ہے۔ خواہ وہاں بالو کا سمندر ہو۔ اولاد عزیز ہے خواہ دوسروں کی نظر میں کریہہ منظر ہو۔

ہجرت کے بعد اب مسلمانوں کو اطمینان کا سانس نصیب ہوا۔ تو وطنِ عزیز کی یاد نے دل کو ہزار جلووں کی جنّت گاہ بنا دیا۔ مدینہ میں بیٹھے آنکھوں کے سامنے بہشت کے گلزار سے جمیل تر گلستان کا تصوّر آتا ہے۔ آہ پیارا عزیز وطن اسی کے تصوّر میں پہروں بیٹھے ہیں۔ جہاں پَو پھٹتے ہی کارواں روانہ ہونے لگتا ہے۔ اونٹوں کی گردن کی گھنٹیاں ہلتی ہیں۔ صبح کے سکوت میں اُن کی میٹھی آوازیں ایسی دلکش معلوم ہوتی ہیں۔ گویا روشن و رنگین ستاروں کی آبادی میں مقدّس فرشتے معبد میں جمع ہو کر خدا کی حمد شروع کرنے سے پہلے طلائی گھنٹیوں کو بجا بجا کر اپنی خفتہ عقیدتوں

کو بیدار کر رہے ہیں۔ تڑکے تڑکے نسیم صبح خوشبوؤں سے مہکی ہوئی آتی ہے۔ ساری فضا اس کی گدگدی سے مسکراتی ہے۔ یثرب کی رنگین صبح زریں قبا اوڑھے کھڑی ہے۔ شبنم کے قطرے پھولوں کو الوداع کہہ رہے ہیں۔ درخت شباب کی مستی میں جھوم رہے ہیں مسلمان مدینے میں بیٹھے ان حسین و جمیل نظاروں کو دیکھ کر خوش وقت ہیں۔ مکّہ کے خوش رنگ اور خوش گلو طائر سبز پتّوں کی اوٹ میں بیٹھے صبح کی راگنی گا رہے ہیں۔ اور وہ بطحا میں بیٹھے ان فردوس گوش کیفیات سے محظوظ ہو رہے ہیں۔

اب گرم گرم سورج نکلا۔ اونٹوں کے چلنے سے طلائی گرد اٹھی دل ٹوٹ گیا۔ چاہا کہ اڑ کر مکّہ جا پہنچیں۔ بےتابی سے اٹھے، آہ بھر کر بیٹھ گئے۔ یونہی انگڑائیاں لے کر صبح سے شام کر دی۔ کوئی بتائے مکّہ کی شام جنّت کی صبح سے کم خوشگوار ہے؟ جواب کسی مہاجر سے پوچھو۔ وہ چشم خیالی سے دونوں کو دیکھ کر کہے گا۔ ایک سے ایک خوشتر، ایک سے ایک اعلیٰ۔ رنگین اور دلکش۔ لیکن شام کی سیاہی میں لپٹے ہوئے مکّہ کے حسین نظّارے اس کو اب زیادہ بےخود کر رہے ہیں۔ اس کی نگاہ میں شفق کا رنگ رقص کرتا دکھائی دیتا ہے۔ گلستاں کی رنگینی اور شادابی ہے۔ جس پر شام آہستہ آہستہ سیاہی کا پردہ

[illegible] ہے۔ [illegible] عالمِ بے خودی میں بلال نے وطن کے حسن و جمال سے ہمکنار ہو رہی ہے۔ مدینہ میں لیٹے لیٹے آسمان کے تارے گنتے رات کٹ جاتی ہے۔

بلالؓ جن پر ستم پیشہ آسمان نے مکہ کی زمین تنگ کر دی تھی۔ اسی سرزمین کے خوشگوار نظارے ان کو بیتاب کر رہے ہیں۔ وہ مکہ میں بیٹھ کر مدینہ کے حاصل صد کیف مناظر ملاحظہ کرتے ہیں۔ دیکھو یہ پردیسی دیس کی یاد میں کس حسرت سے پکار اٹھتا ہے:۔

الا لیت شعری ھل ابیتن لیلۃ
بواد وحولی اذخر وجلیل

آہ کیا پھر کبھی وہ دن آسکتا ہے کہ میں مکہ کی وادی میں ایک رات بسر کروں۔ اور میرے پاس اذخر اور جلیل ہوں۔

وھل اردن یوماً میاہ مجنۃ
وھل یبدون لی شامۃ وطفیل

اور کیا وہ دن بھی ہوگا کہ میں مجنہ کے چشمہ پر اتروں۔ اور شامہ و طفیل مجھ کو دکھائی دیں۔

میں واقعات کو جذبات کی رو میں بہانا نہیں چاہتا حقیقتِ حال یہی تھی۔ یہ وطن عزیز جس کے تصورات نے مسلمانوں کے دماغ کے

---

مطلب ایک قسم کی گھاس۔

ہر گوشہ کو رشکِ صد گلزار بنا رکھا تھا۔ عقیدت کا قول ہے کہ دل و جان کو مضطرب کرنے والی یہ تحریک من جانب اللہ تھی۔ تاکہ مسلمانوں پر فتح کے نئے باب وا کرنے کے سامان کئے جائیں۔

# صلح حدیبیہ

وطن عزیز کی کشش کے علاوہ فریضۂ حج ادا کرنے کے خیال سے سردارِ عرب و عجم نے چھ برس کے بعد باگیں مکہ کی طرف پھیریں۔ اس نورانی قافلہ سالار کے ساتھ اہلِ ایمان کا قافلہ روانہ ہوا۔ عورت، مرد، بچے اور بوڑھے ساتھ تھے۔ مبادا اہلِ مکہ کو حملہ کا خدشہ گذرے۔ بجز تلوار کے اور ہتھیار لے جانے کی اجازت نہ دی۔ صرف قربانی کے اونٹ ہمراہ لئے۔ اور احرام باندھ کر چل دیئے جہاجرین وطن کی محبت کے نشہ میں سرشار تھے۔ پاؤں لڑکھڑانے کے بجائے ان کے دماغ چکرا رہے تھے۔ اتنے میں مخبر نے خبر دی کہ اہلِ قریش دوسرے قبائل کو برانگیختہ کر کے مقابلہ کو آنا چاہتے ہیں۔ بڑھنے میں خطرہ ہے۔ لوٹ جانے میں سلامتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے راستہ کاٹ کے جانا چاہا۔ لیکن دشمن کو علم ہو گیا۔ بیر

کے مقام پر ڈیرے ڈال دیئے آخر حضرت عثمانؓ کو ایلچی بنا کر بھیجا تاکہ اہل قریش کو صلح کی طرف مائل کریں۔ وہ اپنے ایک عزیز کی معیت میں مکّہ گئے۔ قریش نے صلح کی بات سُننے کے بجائے حضرت عثمانؓ کو نظر بند کر لیا۔ رائی کا پربت بنا۔ یہ خبر مشہور ہو گئی کہ حضرت عثمانؓ شہید کر دیئے گئے۔ یہ سُن کر مسلمانوں کی آنکھوں میں خُون اُتر آیا۔ صلح پسند پیغمبرؐ مضطرب ہو کر ببول کے درخت کے نیچے بیٹھ گیا۔ اور حالات کی مجبوری سے جاں نثاری کی بیعت لینا شروع کی۔ اسلام میں یہ بیعت بیعۃ الرضوان کے نام سے مشہور ہے۔ اس میں عورتوں نے بھی فیصلہ کُن جنگ کا عہد کیا۔ جنگ میں عورتوں کی شمولیت اسلام میں ممنوع نہیں۔ کیونکہ عصمت کی حفاظت صرف فتح کی صورت میں ہی ممکن ہے۔ شکست خوردہ قوم کی عورت کی عصمت بے بھاؤ کی کوڑی ہو جاتی ہے۔

بعد میں شہادت کی خبر غلط ثابت ہوئی۔ کیونکہ قریش نے سہل بن عمر کو شرائط صلح طے کرنے کے لئے بھیج دیا۔ سہل بڑا زبان آور اور ہوشمند شخص تھا۔ وہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی صلح پسند طبیعت سے واقف تھا۔ اس لئے بات بات پر اڑ جاتا۔ اور اپنی ہی منواتا تھا۔ معاہدہ قلمبند ہونے لگا۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پر اڑ گیا۔ کہ یہ نہ لکھو۔ عرب کے قدیم دستور کے مطابق باسمک اللہم لکھو۔ آپ نے منظور فرمایا۔ پھر لکھا گیا۔ کہ یہ معاہدہ محمد رسول کی طرف سے ہے۔ سہیل نے کہا۔ کہ اگر ہم آپ کو پیغمبر تسلیم کرتے تو تو جھگڑا کیوں کرتے۔ صرف اپنا اور اپنے والد کا نام لکھو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی مان لیا۔ لیکن حضرت علیؓ نے بنا بر عقیدت اپنے ہاتھ سے یہ لفظ کاٹنا گوارا نہ کیا۔ تاہم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود رسول اللہ کے الفاظ کاٹ دیئے۔ تا کہ لفظی تکرار باہمی جنگ کا باعث نہ ہو۔

بروئے معاہدہ قرار پایا کہ مسلمان واپس چلے جائیں۔ اور اگلے سال آئیں۔ تو مکہ میں صرف تین دن قیام کریں۔ تلواریں میان میں رہیں۔ اور میان جلبان میں ہوں۔ جو مسلمان مکہ میں مقیم ہو وہ ساتھ نہ جائے۔ جو مسلمان مکہ میں رہنا چاہے اُسے روکا نہ جائے۔ جو مسلمان یا کافر مدینہ میں جائے اُسے واپس کر دیا جائیگا۔ مگر جو مسلمان مکہ میں آئے اُسے واپس نہ کیا جائیگا۔ قبائل عرب پر پابندی نہیں۔ جو جس سے چاہے معاہدہ کرلے۔

ابھی معاہدہ پایۂ تکمیل کو نہ پہنچا تھا کہ سہیل کا بیٹا ابو جندل مسلمان ہو چکا تھا۔ مکہ سے پا بہ زنجیر بھاگا۔ مسلمانوں میں

پناہ پانے کے لئے آیا۔ قریش کے ہاتھوں جسم زخمی جان نڈھال پیغمبرؐ کے سامنے گر گیا۔ سہیل نے کہا۔ محمدؐ صلح کی تعمیل کا پہلا موقع ہے۔ شرائط صلح کے مطابق اسے واپس کرو۔ حضورؐ نے فرمایا۔ معاہدہ ابھی نامکمل ہے۔ سہیل نے کہا تو ہمیں صلح منظور نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اچھا اسے بھی لے جاؤ۔ ابوجندل نے اپنا زخمی بدن ننگا کرکے دکھایا۔ اور درد و غم سے بے تاب ہوکر پکارا۔ مسلمانو! مجھے اس حال میں کافروں کے پاس لوٹا دینا چاہتے ہو۔ عجب نازک موقعہ تھا۔ مسلمانوں کا خون کھولنے لگا۔ غصّہ سے آگ بگولا ہو گئے۔ تاہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کو ٹھنڈا کیا۔ کیونکہ وہ بہرحال ایفائے عہد کرنا چاہتے تھے۔ اسلامیوں میں شکست کی سی بے دلی پھیل گئی۔ آرزوؤں نے شوقِ وطن کی جو جنّت آنکھوں کے سامنے کھول رکھی تھی وہ سرما دیدہ گلزار کی طرح بے بہار ہو گئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوجندل کو مخاطب کرکے کہا۔ ابوجندل صبر و تحمل سے کام لو۔ خدا تمہارے اور مظلوموں کے لئے اور راہ نکالے گا۔ صلح ہو چکی۔ اب بدعہدی نہیں ہو سکتی۔ کتنے پتھر سینے پر رکھ کر یہ بات کہی گئی ہوگی۔ ایفائے عہد کی ایسی پابندیاں ہر کس و ناکس کا کام نہیں۔ دیکھو آرزوؤں کو سینوں

میں دبا کر سر افگند۔ مسلمان مدینہ کو لوٹ رہے ہیں۔ وہ جس کے لب پر معجزہ ہے۔ راستہ میں خدا کے حکم سے خوشخبری دیتا ہے۔ کہ یہ صلح فتح مبین ہے۔ اگرچہ دل شکستہ ہو رہے تھے۔ اور حالات اس کے موافق نہ تھے۔ تاہم مسلمانوں نے طفلانہ اعتماد سے اس بشارت کو قبول کیا۔ اور مدینہ میں آکر اپنے کاروبار اور دین کی نشر و اشاعت میں لگ گئے۔

جنگ احزاب کی فتح اور حدیبیہ کی صلح نے تمام دنیا پر اسلام کی تبلیغ کے دروازے کھول دیئے۔ اب مرکز انوار نے فیصلہ کیا کہ اس خدائی پیغام یعنی اسلام کو چار دانگ عالم میں پھیلایا جائے۔ بنا بریں تمام صحابہ کو جمع کر کے ایک خطبہ دیا جس سے زمانہ میں ایک انقلاب آگیا۔ اور انسانی ترقی کے انتہائی مدارج کی طرف صاف صاف اشارہ کر دیا گیا۔ اس خطبہ کا خلاصہ یہ ہے کہ میں تمام دنیا کے لئے رحمت اور پیغمبر بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ جاؤ میری طرف سے پیغام حق ادا کرو۔ یہ وہ انوکھا دعوےٰ تھا۔ جو آج تک کسی مذہب کے بانی نے نہ کیا۔ آج تک جتنے پیغمبر آئے وہ خاص ملک اور قوم کے لئے آئے۔ مگر یہ ہمہ گیر اور عالمگیر دعوےٰ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا۔ اس خطبہ کی تشریح ایک الگ باب کی محتاج ہے۔ ختم نبوت

کے مستقل باب میں اس کی توضیح کردی گئی ہے۔

دیکھو شمعِ نبوّت سے روشنی لے کر چند آدمی دُنیا کو منوّر کرنے نکلے۔ قیصرِ روم، خسرو ایران، والیِ مصر، شاہ حبش، رؤسائے یمامہ رئیس شام حارث غسانی کو آخری نبیؐ کا پیغام دیا۔ کہ اسلام ہی سلامتی کا مذہب ہے۔ اس کی طرف آؤ۔ اور دارین کی فلاح پاؤ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایلچیوں سے مختلف مقامات پر مختلف سلوک ہوا۔ شاہِ حبش نے اسلام قبول کیا۔ مصر کا حاکم مقوقس تلطّف سے پیش آیا۔ قیصر نے خط توجہ سے سُنا۔ کجکلاہِ ایران غرور سے پیش آیا۔ حاکم غسان نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے سفیر کو شہید کر دیا۔ تاہم اس امن کی تھوڑی مدّت میں اسلام کا نخل پھولنے پھلنے لگا۔ کفّار اہلِ اسلام کے اعلیٰ کیریکٹر سے متاثر ہونے لگے حتیٰ کہ غیر مفتوح خالد بن ولید اور فاتح مصر عمرو بن العاص حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ علاوہ ازیں مکّہ کے ستائے ہوئے مسلمانوں نے جو بروئے معاہدہ مدینہ میں نہ آسکتے تھے۔ بھاگ بھاگ کر سمندر کے کنارے مقامِ عیص پر جمع ہونا شروع کیا۔ اب ان ستم رسیدہ لوگوں نے یہ قوّت حاصل کر لی کہ قریش کے تجارتی قافلے خطرے میں پڑ گئے۔ آخر قریش نے حالات سے تنگ آکر خود معاہدہ کی آخری شرط کو

کو ساقط کر دینے کا اعلان کر دیا۔

ابو جندل کا پا بہ زنجیر واپس لوٹنا کیسا درد انگیز تھا۔ بحالاتِ موجودہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سلوک کس قدر حوصلہ شکن معلوم ہوتا تھا۔ اگر اسلام کی خوبی کا دل قائل نہ ہوتا۔ تو شاید یہ سلوک اسے پیغمبرِ اسلام سے بدظن کر دیتا۔ مگر ہدایت یافتہ ابو جندل، زنجیروں میں جکڑا اور قید میں پڑا بھی اللہ کی توحید بیان کرتا رہا۔ قیدی اپنے نگرانِ کار کو تبلیغ کرتا ہے کہ واہ وا اسلام کیا دین ہے۔ بس ایک اللہ اور باقی خیر سلا۔ اس دین کی سادگی پر کون لوٹ نہ جاتا۔ جس نے ابو جندل کی بات پر کان دھرا اسلام کا قائل ہو گیا اور کفّار کے غصّہ کا شکار ہو کر ابو جندل کی طرح زنجیروں میں جکڑا گیا لوہے کی کڑیاں پہنکر اوروں کو ایمان کی نورانی کرنوں کا حلقہ پہنانے میں مصروف ہو جاتا تھا۔ تا آنکہ تین سو کے قریب کفّار مکّہ میں مسلمان ہو گئے۔ ابو جندل کی قید قریش کی مصیبت کا باعث ہو گئی۔ قتل کر نہیں سکتے، زندہ رکھ نہیں سکتے، ناچار فیصلہ کیا کہ ان نیک بختوں کو چھوڑ دو۔ کہو جہاں سینگ سمائیں چلے جاؤ۔ چنانچہ ابو جندل، اُن کے ساتھی اور تمام مفرور مدینہ میں جمع ہو گئے۔ اللہ کے پیغمبر کا کہا سال بھر میں پُورا ہو گیا۔ صلح حدیبیہ یقینی فتح ثابت ہوئی۔

خیبر کے سردار سلام بن ابی الحقیق یہودی نے بنو قریظہ کے خاتمہ کے بعد پاؤں پھیلانے شروع کئے۔ خیبر یہودیوں کا مرکز اور مضبوط ہونے کے علاوہ زرخیزی اور شادابی میں بھی مشہور تھا۔ ابھی اسلام دشمنی کی تدبیر مکمل نہ کرنے پایا تھا کہ موت نے مہلت نہ دی۔ اس کے بعد اسیر مسندِ ریاست پر بیٹھا۔ تمام یہودیوں کو بلایا اور اسلام کے خطرہ سے سب کو ڈرایا۔ اب تک ہم سب نے سوءِ تدبیر سے نقصان اٹھائے۔ فتح کی حقیقی تدبیر یہ ہے۔ کہ دشمن کے گھر پہ حملہ کیا جائے۔ جارحانہ اقدام ہی بہترین مدافعت ہے۔ چنانچہ شرکت جنگ کی غرض سے اسیر قبائل کو پابند کرنے لگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر عبداللہ کو بھیجا۔ کہ صلح کی کوئی صورت پیدا کریں۔ انہوں نے صلح کی ابتدائی شرائط طے کر لیں۔ لیکن اسیر کو بیخبری میں عبداللہ کے قتل کر دینے کی سوجھی۔ مگر عبداللہ وقت پر چوکنے ہو گئے۔ اس بدعہدی پر غصہ آیا۔ بڑھ کر حملہ کیا۔ اسیر اسی مقام پر مارا گیا۔ اب تو خیبر کے یہود اور اُن کے حلیف قبائل جوشِ غضب

سے آگ بگولا ہو گئے۔ حضرت ابو ذرؓ کا بیٹا چراگاہ میں شہید کر دیا گیا ان کی بیوی کو گرفتار کر کے لے گئے۔ قبل اس کے کہ یہود تمام قبائل میں طوفان اُٹھا لائیں۔ اور انہیں آندھی کی طرح مدینہ پر چڑھا لائیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سولہ سو مسلمانوں کی جمعیت سے بڑھے کہ شاید نوبتِ جنگ نہ آئے۔ اور دشمن مرعوب ہو جائے۔ اس طرح خونریزی کے بغیر امن نصیب ہو سکے۔ لیکن یہودی بہادر سپاہی اور مضبوط قلعوں کے مالک تھے۔ انہیں معلوم تھا کہ گھر میں آیا ہوا دشمن سلامت واپس نہ جانے پائے گا۔ یا اگر حالات بدتر بھی ہو گئے تو جب ستوؤں کی رسد کا ذخیرہ ختم ہو جائیگا۔ تو جس طرح اللہ اکبر کہتے آئے ہیں۔ اسی طرح تکبیریں کہتے لوٹ جائینگے۔ چنانچہ صلح کی پیشکش کو انہوں نے ٹھکرا دیا۔ اور جنگ کی طرح ڈال دی۔ بہادر یہودی برابر بیس دن تک حملہ آوروں کے ریلوں کا مقابلہ کرتے رہے۔ اسلام کے نامور سپاہی بڑھے اور ناکام واپس لوٹے۔ قلعہ قموص جو عرب کے یہودی پہلوان اور جانباز سپاہی کا تخت گاہ تھا۔ ناقابلِ تسخیر ثابت ہوا۔ مسلمانوں پر مایوسی چھا رہی تھی۔ یک بیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے نکلا۔ کہ صبح میں اس شخص کو علم دونگا۔ جس کے ہاتھ سے خدا فتح

دیگا۔ مخبرِ صادق کے قول پر کس کو یقین نہ تھا۔ سب صحابہ اس امتیاز کو حاصل کرنے کے لئے شب بھر درگاہِ رب العزّت میں دعائیں مانگتے رہے۔ آرزو تمام رات اُمید کے دروازے بند کرتی اور کھولتی رہی۔ اضطراب اور بے قراری نے سب کو کباب سیخ بنا رکھا تھا کہ دیکھئے یہ سعادت کس کو نصیب ہوتی ہے۔ جب سحر کے سینے سے نور اُبل کر نکلا تو بارگاہِ نبوّت سے آواز آئی۔ کہ علیؓ کہاں ہیں۔ حضرت علیؓ ان دنوں آشوبِ چشم کے باعث جنگ سے معذور تھے۔ اس فردوس گوش آواز کو سُن کر اپنے نصیبے کی یاوری پر فخر کرتے اُٹھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے علیؓ کو علَم دیا۔ اور دُعا فرمائی۔ حضرت علیؓ فتح کا عزم لے کر نہ اُٹھے تھے۔ بلکہ فتح کا یقین لے کر چلے تھے۔ اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ یہود کو لڑ کر مسلمان بناؤں۔ لیکن پسند پیغمبر نے فرمایا۔ نہیں نرمی سے اسلام پیش کرو۔

دیکھو اسلام کا شیر جنگ کو نکلا۔ فتح رکاب تھامے ساتھ چلی۔ بہادر مرحب قلعہ سے رجز پڑھتا نکلا۔ حضرت علیؓ بھی اس طرف بڑھے۔ آن واحد میں دو شیر لڑنے لگے۔ دنیا دم بخود ہو کر تماشہ دیکھنے لگی۔ دونوں پہلوان موت سے کھیلنے لگے۔ زندگی مایوس ہو کر

الگ ہٹ گئی۔ کچھ دیر تلواروں کی ڈھالوں نے روکا۔ مگر مرحب کی موت کا وقت قریب آگیا تھا۔ خدا کے شیر نے۔ اس زور سے تلوار ماری کہ سر کو چیر کر دانتوں تک اتر آئی۔ بہادر مرحب لڑکھڑا کر گرا۔ سردار کے گرنے سے یہود سینے تان کر موت سے ہم آغوش ہونے کے لئے نکلے۔ حضرت علیؓ پر عام ہجوم ہو گیا۔ وہ کفر کی گھٹا سے بجلی کی طرح تڑپ کر نکلے۔ پھر سنبھل کر دشمن پر جا پڑے۔ یہود کے تمام بہادر سردار ایک ایک کر کے مارے گئے۔ خیبر کے سب قلعے یکے بعد دیگرے مسخر ہو گئے۔ عرب میں یہودیوں کی قوت ہمیشہ کے لئے ختم ہو گئی۔ غالب مغلوب ہو کر جانتا ہے کہ بہادر شکست کے بعد کس طرح مجبور ہو جاتے ہیں۔ عرب کا یہودی جو عسکری اور علمی قابلیت کے لحاظ سے عرب کا حقیقی راہنما تھا۔ ایک منظم جماعت کے سامنے خاک چاٹ رہا ہے۔ آج اسے غیر سے انتقام کا خوف اور رحم کی امید ہے۔ اگرچہ مغلوب دشمن کے لئے موسوی قانون سخت تھا۔ لیکن اُن سے کسی قسم کا تعرض نہ کیا گیا۔ اور اس شرط پر صلح ہوئی۔ کہ یہودی پیداوار کا نصف حصہ مسلمانوں کو دیا کرینگے۔

قوموں کے اخلاق میں سفیر کا قتل بدترین گناہ ہے۔ دربارِ غیر میں ایلچی سے زیادہ بے کس کون ہوتا ہے۔ کسی غریب الدیار پر ہتھیار اُٹھانا کتنی بڑی شقاوت ہے۔ حضرت حارث بن عمیر رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا تبلیغی خط شرجیل بن عمرو بصرہ کے بادشاہ اور قیصر کے ماتحت کے پاس لے گئے۔ حارث رض شرجیل کے حکم سے قتل کر دیئے گئے۔ بے کسوں کے خون کا بدلہ خون ہے یا معافی۔ شرجیل نے تو قتلِ عمد کیا تھا۔ خود بادشاہ اور بڑے شہنشاہ کا نمائندہ معافی کس سے مانگے۔ فاقوں سے بے حال مسلمانوں سے۔ جس کے پاس غرور ہو شرافت نہ ہو۔ وہ اظہارِ افسوس کو کب پسند کرتا ہے۔ شرجیل نے نہ صرف قتل کیا۔ بلکہ اُلٹی دھمکی دی۔ اگرچہ اسلام اور عیسائیت کی برابر کی ٹکر نہ تھی۔ مگر آزاد اور بہادر اکثر جان پر کھیل کر شرافت کا ثبوت دیتا ہے۔ بنا بریں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آزاد کردہ زید بن حارثہ کے ماتحت تین ہزار فوج کو شام روانہ کیا۔ تاکہ حارث کا قصاص لے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلّم کا غلام اور ہمارا آقا سپہ سالار بنایا گیا۔ مساوات کے اس مظاہرے سے شیطان کی گردن جُھک گئی۔ جو اسلام لے آئے تھے مگر ان میں ابھی اسلام نہ آیا تھا اُنھوں نے سرگوشیاں شروع کیں۔ کہ جعفر طیار سا پیارا ابن عم اور عبداللہ بن رواحہ جیسے اولوالعزم صحابی اور دوسرے سردار غلام کے تابعِ فرمان کر دیئے گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہ چرچے سُنے لیکن خاموش رہے۔
مدینہ سے فوج کی کوچ کی تیاریاں ہیں۔ تخیّل کی نظر سے دیکھو۔ سب صحابہ الوداع کہنے کو موجود ہیں۔ بیبیاں گھروں سے چھتوں پر چڑھ کر اس نظارہ کو دیکھ رہی ہیں۔ فوج کی تیاری مکمّل ہو چکی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام اور فتح کا سردار گھوڑے پر چڑھ بیٹھا۔ اُس نے فخر اور شکر سے گردن اُونچی اور نگاہیں نیچی کر لیں۔ باگیں اُٹھائیں۔ وجدان نے کہا۔ ملک شام پر چڑھائی کرنے والے اس بانکے سوار سے کچھ سوال کرو۔ میں نے بڑھ کر باگیں روکیں اور کہا۔ اے حرمین کے سردار اہلِ دُنیا اسلام میں غلام کے درجہ کے متعلق سوال کرے۔ تو کیا کہوں اُس نے پیاری پیاری آنکھوں کو اُٹھایا۔ اور مُسکرا کر جواب دیا۔ کہ دُنیا کو کہیو۔ کہ بانیٔ اسلام نے غلام سے اپنی بہن بیاہ دی۔ دُنیا کے

غلاموں سے کہیو کہ اسلام نے غلام کو سردار بنا کر شام بھیجا تھا۔ عیسائی خواتین انکار کریں تو پوچھنا کہ وہ کون تھا جس نے اسلام اور عیسائیت کے اوّل معرکہ میں مسلمانوں کی سرداری کی۔ وہ نام بھول جانے کی کوشش کریں تو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام زید بن حارثہ کا نام لے لینا۔

دنیا کے ارباب اقتدار اور مذہبی پیشواؤں کی تاریخ کے اوراق اُلٹ پُلٹ کر دیکھو اور بتاؤ کہ عبداللہ کے بیٹے کے سوا وہ اور کون تھا جو سو کام بگڑنے پر بھی غلام سے ایک بار نہ بگڑا ہو۔ اور کون ہے جس نے غلام کو بہنوئی بنایا۔ پھر عزیز و اقارب، اصحاب و احباب کی سرداری بخشی ہو۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کا زمانہ غلام اور کمزور انسانوں کی تاریک تاریخ کا روشن باب تھا۔ کمزوروں اور مظلوموں کا اس سے بڑا حامی نہ پہلے پیدا ہوا نہ پھر کبھی ہوگا۔ دُنیا میں کوئی ایسا ہے کہ عمر بھر میں ملازم پر ایک دفعہ بھی خشمگین نہ ہو۔ مالک بن انس رضؓ کی روایت شاہدِ عادل ہے کہ میرے آقا محمد صلی اللہ علیہ وسلّم نے کبھی بھولے سے بھی تنبیہہ نہ کی۔ کہ یہ کام کیوں کیا یہ کیوں نہ کیا۔ ایسے آقا کے کون قربان نہ جائے۔ آج آقا کے حکم پر غلام کی قربانی کا وقت آ پہنچا۔ جاسوسوں سے

خبر پاکر حاکمِ غسان نے اپنی فوج اور صحرائی قبائل کو جمع کیا۔ اور ایک لاکھ کے لشکرِ گراں کو لے کر میدان میں اُترا۔ حضرت زیدؓ نے مشورہ کیا۔ کہ ناموافق حالات سے دربارِ رسالت کو خبر دی جائے۔ حضرت عبداللہ بن رواحہؓ نے کہا۔ اس جنگ سے فتح متصور نہیں۔ شہادت کا موقع کیوں ضائع کریں۔ اس لئے حضرت زیدؓ نے شوقِ شہادت میں باگیں اُٹھائیں۔ بہادر تکبیر کہتے ہوئے دشمن کی صفوں میں گھس گئے۔ کفر کی گھٹاؤں میں اسلام کی بجلیاں چمکنے لگیں۔ ہاتھی اور چیونٹی کا مقابلہ تھا۔ اور کوئی ہوتا تو جی ہار دیتا۔ یہ مسلمان کا دل جگر تھا کہ نتائج سے بے پروا ہو کر زینت سے جنگ کی ٹھانی تھی۔ نیزے سینے میں ترازو ہونے لگے۔ تلوار دوست دشمن کو موت کے گھاٹ اتارنے لگی۔ ہمارا سردار زیدؓ چھاتی تان کر دشمن پر ٹوٹ پڑا۔ دشمن کی برچھیاں سینے میں تیرنے لگیں۔ عَلم ہاتھ سے گرا چاہتا تھا۔ کہ حضرت جعفرؓ نے نشانِ سرداری سنبھالا۔ دیکھو حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا پروردہ بسترِ خاک پر پڑا تاجِ شہادت پہننے کے لئے ایڑیاں رگڑنے اور لوٹنے لگا۔ جنگ میں بہادروں کے ماتم کی مہلت نہیں ہوتی۔ دیکھو جواں ہمت جعفرؓ دشمن کے نرغے میں گھر گئے۔ زخم پر زخم اُٹھا رہے ہیں۔ پھر بھی

بڑھے جاتے ہیں۔ ایک بازو کٹ کر زمین پر گر گیا ہے۔ دوسرے ہاتھ میں علم تھام لیا۔ لو دوسرا بازو بھی الگ ہو گیا۔ بہادر اپنے دانتوں میں علم لئے کھڑا ہے۔ تلواریں پڑ رہی ہیں۔ جان زخموں سے نڈھال ہو گئی ہے۔ کوئی کب تک کھڑا رہے۔ آخر ابوطالب کا فرزند زمین پر گر گیا۔ سرداری کا نشان حضرت عبداللہ بن رواحہؓ نے سنبھالا۔ وہ مدتوں سے طلبِ شہادت میں بے تاب تھے۔ اُنہوں نے بھی جامِ شہادت پیا۔ اور واصلِ بحق ہوئے۔ جب تینوں سردار مارے گئے۔ تو مسلمان ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے۔ سردار کون بنایا جائے۔ مشورہ کا موقعہ کہاں تھا۔ خالدؓ جو ازل سے جہاد کا جذبہ اور سرداری کی قابلیتیں لے کر آتے تھے۔ جھپٹے اور علم اُٹھا لیا۔ غازی پھر نئی ہمت سے ٹوٹ پڑے۔ شام نے تاریکی کا پردہ درمیان حائل کر دیا۔ فوجیں فیصلہ کن جنگ کے بغیر الگ ہو گئیں۔ لمبی رات نئے انتظام میں گذری۔ صبح سُورج خون میں غُسل کر کے نکلا۔ پھر خونریزی شروع ہو گئی۔ خالدؓ نے اس ترکیب سے دستوں کو لڑایا کہ لحظہ بلحظہ دشمن کو نئی کمک آتی دکھائی دی۔ دشمن کو تعجب تھا [illegible] سے اس وقت تک برابر لڑ رہی ہے۔ نئی کمک کے خیال نے اُن کی کمریں توڑ دیں۔ وہ حالات کو ناموافق پا کر

خود بخود پسپا ہونے لگے۔ مجاہدوں نے موقع کو غنیمت جانا غنیمت کا مال لیا۔ اور واپس لوٹے۔ شمشیر زن خالدؓ کے متعلق بیان کیا جاتا ہے۔ کہ آٹھ تلواریں اُن کے ہاتھ میں ٹوٹیں۔ عبداللہ بن عمرؓ نے حضرت جعفرؓ کے جسم کو دیکھا نوّے زخموں کے نشان پائے۔ بہادر مر جاتے ہیں قوم کو زندہ کر جاتے ہیں۔ ان زندۂ جاوید سرداروں کا جنازہ مدینہ میں لایا گیا۔ تمام آبادی تلملا کر باہر نکل آئی۔ مدینہ میں کہرام مچ گیا۔ جنازوں کو دیکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر رقت طاری ہو گئی۔ باپ کی قسمت سے بے خبر حضرت زیدؓ کی چھوٹی لڑکی راہ میں ملی۔ سرکارِ دو عالم فرطِ غم میں اس پر گر گئے۔ معصوم موت کی جدائی کو کیا جانے کہ جو بچھڑتا ہے پھر نہیں مِلتا۔ اُسے کیا معلوم کہ دُنیا جہان کی برکتیں اس پر جھکی ہوئی ہیں۔

اسلام پر غلامی کا الزام لگانے والو۔ دیکھو غلام کی موت پر دو جہان کا آقا خون کے آنسو بہا رہا ہے۔ عرب کا فاتح اور دُنیا کا مصلح بیٹوں سے پیارے زید کی موت پر معصوم بچّوں کی طرح رو رہا ہے۔ کون دیانتدار کہہ سکتا ہے کہ اسلام نے انسان کو غلام بنانا سکھایا ہے۔ آجکل کی سرمایہ داری تو مزدور کی موت پر استہزا کرتی ہے۔ ڈھٹائی کی یہ حد ہے کہ اس زمانہ میں اسلام پر غلامی کا الزام تراشا جاتا ہے۔

# فتح مکّہ ۸ھ

آخر اس جنّت نگاہ مکّہ کی فتح کے دن آگئے۔ جس کی زمین مسلمانوں کو رات کی نگینی میں رقص کرتی نظر آتی تھی۔ آسمان نیلی پوش محبوب کی طرح مہتاب کا نورانی جام لئے ارضِ حرم سے دُور لوگوں کو مئے وحدت کا جام پینے کے لئے اشارہ کر رہا تھا۔ جس کے تصوّر سے سب جھوم جھوم جاتے تھے۔ مکّہ کا مہاجر امن کا شہزادہ اور سلامتی کا پیامبر مسجد میں بیٹھا تھا۔ شکستہ دلوں کی دردناک صدائیں اُٹھیں۔ کانوں کے راستے برچھیاں بن کر اُتریں۔ اور سُننے والوں کے دلوں میں پیوست ہو گئیں۔ کچھ آتش بجاں اور سوختہ ساماں باحال پریشاں سامنے آئے۔ اُنہوں نے قریش کے ظلم سے محمدؐ اور خدائے محمدؐ کی دُہائی دی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے اضطراب سے ان کو دیکھا۔ اور اطمینان سے اُن کی باتیں سُنیں۔ وہ بنو خزاعہ کے دوستدار قبیلے کے آدمی تھے۔ جو قریش اور اُن کے حلیف بنو بکر قبیلے کی غارتگری کی داستان سنانے آئے تھے۔ قبیلہ خزاعہ کا رئیس عمر بن سالم استغاثہ لیکر آیا کہ ہمارے حریف بنو بکر نے قریش کی شہ اور مدد پر جنگ کا آغاز

کیا۔ ہم حرم میں پناہ گزیں ہو گئے۔ عرب کی قدیم روایات کے خلاف ہمارے پناہ گزینوں کو وہاں بھی ذبح کر ڈالا گیا۔ ہم چالیس آدمی بمشکل بچ کر یہاں پہنچے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خونیں داستان سُن کر سخت صدمہ ہوا۔ تاہم امن پسند آقا نے قریش کو کہلا بھیجا۔ کہ مقتولوں کا خوں بہا ادا کر دیا جائے۔ یا کم از کم قریش بنو بکر کی حمایت سے دستکش ہو جائیں۔ اگر یہ نہ ہو تو اعلان کر دو۔ کہ مدینہ کا معاہدہ ٹوٹ گیا۔

قریش فطرتاً بہادر تھے۔ بہادر خطرے کو خاطر میں نہیں لاتے۔ انہی حوصلہ مندیوں کے زعم میں قاصد سے کہہ دیا۔ کہ جاؤ جا کر کہو کہ معاہدۂ صلح ٹوٹ چکا۔ ایلچی ناکام چلا آیا۔ دربارِ رسالت سے مسلمانوں کو تیاری کا حکم ملا۔ حلیف قبائل کو پیغام بھیجے گئے۔ ادھر قریش کی دلیری پر دُور اندیشی نے فتح پائی۔ خیال آیا۔ کہ اسلام کا سرچشمہ باوجود ساری قوت کے ابتدا میں بند نہ ہو سکا۔ اب تو وہ ٹھاٹھیں مارتا ہوا دریا ہے۔ اس کے بہاؤ کو کیسے روکا جائیگا۔ ابوسفیان یہ خطرہ محسوس کر کے تجدیدِ معاہدہ کے لئے مدینہ پہنچا۔ مگر وہاں اُسے دشمنِ دین سمجھ کر کسی نے مُنہ نہ لگایا۔ ناسور کو کوئی کب تک بہتا رہنے دے۔ اب فیصلہ کُن جنگ درپیش تھی۔ دونوں طرف سے تیاریاں ہونے

لگیں۔ سورج جب صبح کی صداقت پر طلائی مہر لگانے نکلا۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دس ہزار قدسیوں کو لے کر فاران کی مقدس پہاڑیوں پر جلوہ گر ہونے کے لئے نکلے اس طرح انجیل کی صدیوں کی پیش گوئی پوری ہونے کا وقت آگیا۔ فوج کی نقل و حرکت کو پردہ راز میں رکھنے کی کوشش کی گئی۔ اور قریش بے خبر بیٹھے تھے۔ کہ مسلمان مکہ معظمہ سے ایک منزل پر پہنچ گئے۔ فوج نے دور دور تک ڈیرے ڈال دیئے۔ جگہ جگہ آگ روشن کر دی گئی۔ تمام صحرا گلنار بن گیا۔ ابو سفیان ساتھ لگا پھرتا تھا۔ وہ عرب کے یتیم کے جلال کو دیکھ کر مرعوب ہو گیا۔ چاہا کہ اس فوجِ گراں کی آمد سے اہلِ مکہ کو خبر کرے۔ کہ اتنے میں کسی نے اُسے پہچان لیا۔ حضرت عمر رضؓ نے تلوار سونت کر چاہا۔ کہ سر کو تن سے جُدا کر دیں۔ ابو سفیان کی قسمت سے حضرت عباسؓ وہاں آنکلے۔ وہ بیچ بچاؤ کر کے سب کو دربارِ رسالت میں لے گئے۔ مسلسل اسلام سے دشمنی اور اس وقت کی جاسوسی کی سزا موت کے سوا کیا ہو سکتی تھی۔ ابو سفیان دُنیا دار اور ہوشیار تھا۔ خطرہ دیکھ کر اسلام کا اعلان کر دیا۔ اب کس کو جرأت کہ انگلی اُٹھائے۔ تلواریں میان میں چلی گئیں۔ ماتھوں کی شکنیں کھُل گئیں۔

فتح کی اُمید میں صبح کو سورج مُسکراتا نکلا۔ فوج آراستہ ہو کر

بڑھی۔ علمِ اسلامی ہوا میں لہرانے لگا۔ ہتھیاروں میں ڈوبے ہوئے سپاہی اللہ کا ذکر کرتے ہوئے چلے۔ آگے آگے فوج اور اُن کے سردار تھے عقب میں سب کے آقا نور برساتے چلے آتے تھے۔

سرکارِ دو عالمؐ نے تدبیر کے سارے ترکش خالی کر دیئے۔ تاکہ تیر چلائے بغیر شہر فتح ہو جائے۔ لیکن یک بیک تلواریں تڑپ کر میانوں سے باہر آگئیں۔ اور معلوم ہوا کہ قریش کے ایک گروہ نے تیر برسا کر حضرت خالدؓ کے دستے کے دو نامور مسلمانوں کو شہید کر دیا۔ خالدؓ کے حملہ سے تیرہ آدمی کھیت رہے۔ باقی تاب مقابلہ نہ لا کر بھاگ نکلے۔ اس معمولی سی مڈبھیڑ کے سوا کسی کے نکسیر نہ پھوٹی۔ اسلامی فوجیں فتح کے پھریرے اُڑاتی شہر میں داخل ہوئیں۔ شہر میں داخل ہونے کے وقت سب کو ہدایت ہوئی کہ ہتھیار رکھ دینے والے سے تعرض نہ کیا جائے۔ جو بھاگ نکلے۔ اس کا تعاقب نہ کیا جائے۔ زخمی اور اسیر کو قتل نہ کیا جائے۔ جو شخص گھر میں بیٹھ رہے یا کعبہ میں پناہ گزیں ہو مارا نہ جائے جو ابوسفیان اور حکیم بن حزام کے گھر میں داخل ہو وہ بھی مامون سمجھا جائے۔

اب اس شہر میں داخل ہونے کا وقت آگیا جس کے رنگین

تصوّر سے دُور بیٹھے لطف اندوز ہوتے تھے۔ مگر خوف سے اندر نہ جا سکتے تھے۔ مختلف دستے مختلف راستوں سے مکّہ میں داخل ہوئے۔ خوشی اور شادمانی کے وقت ہمیشہ اس کو پہلو میں جگہ دی جاتی ہے۔ جس کی عزّت بڑھانا مقصود ہو۔ مکّہ کے فاتحانہ داخلہ کے وقت سرورِ دو عالمؐ کے ساتھ اُونٹ پر کون بیٹھا ہے۔ ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم میں سے کوئی نہیں۔ وہ سب سر جھکائے ہمرکاب ہیں۔ لو دیکھو خدا کے برگزیدہ رسولؐ کے ساتھ اس وقت زید کا بیٹا اسامہؓ سوار ہے۔ اللہ کا رسولؐ اس فتحِ عظیم پر اپنے معبود کے احسان میں سر جھکائے سورہ فتح تلاوت فرما رہا ہے۔ حضرت اسامہؓ طفلانہ خوشی سے اُچھل رہے ہیں۔ اور مسرت سے اِدھر اُدھر دیکھ رہے ہیں۔ وجدان نے آواز دی کہ اسامہ ٹھیر تیری خاکِ پا کی ضرورت ہے۔ تاکہ تعصب کے اندھوں کے لئے سرمہ بنائیں۔ جو اسلام پر غلامی کو قائم کرنے کا الزام لگاتے ہیں۔

فتحمندانہ داخلہ کے وقت فاتحین اپنے جلال و جبروت کا نظارہ دکھاتے ہیں۔ مفتوح شہر میں ان کے داخلہ کی ظالمانہ روایات اور سفاکی کی بنا پر لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے آنکھیں

نہ ملاتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم اپنے مولا کے احسان کے بوجھ سے گردن جھکائے چلے جاتے تھے شہنشاہوں کے جلوس سے جاہ وجلال ٹپکتا ہے۔ مگر اس برگزیدہ ناقہ سوار سے انوار کی بارش ہو رہی تھی۔ اور رحمتوں کے فرش بچھے جاتے تھے۔ ناگاہ آپ کی نظر ایک سہمی ہوئی اور سراسیمہ عورت پر پڑ جاتی ہے۔ وہ جو دُنیا کے خوف دُور کرنے بھیجا گیا تھا۔ اپنی ہیبت سے دوسروں کے سہم جانے کو کب برداشت کر سکتا تھا۔ دو جہان کا آقا اُونٹ سے اُتر آیا۔ اور اُس بڑھیا سے کہا کہ مجھ سے خوف نہ کر۔ میں تو اس عورت کا بیٹا ہوں۔ جو سوکھا گوشت کھایا کرتی تھی۔ وجدان نے حیرت سے دانتوں تلے اُنگلی دبائی۔ اور سر ہلا کر کہا۔ کہ اقتدار پسند لوگ تو ہر وقت اپنی برتری تسلیم کراتے نہیں تھکتے۔ دُنیا میں یہ خدا کا برگزیدہ بندہ پیدا ہوا ہے۔ جو گردن فرازی کے وقت بھی خاکساری کو زیورِ اخلاق سمجھتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم سورۂ فتح تلاوت فرماتے بیت اللہ میں داخل ہوئے۔ جہاں بُت خدائی کرتے تھے۔ گوشہ گوشہ میں جا کر تکبیر پڑھی۔ اللہ اکبر انسان کی کیا کمزوری ہے۔ مٹی کی مورتی اور

پتھر کے تراشے ہوئے بتوں کو معبود اور شفیع سمجھے۔ ان جھوٹے خداؤں سے ارض حرم پاک کر دی۔ اس ایک اللہ کا نام بلند ہوا۔ جس کے سوا کوئی نفع اور ضرر کا مالک نہیں۔ کعبہ سے بُت اُٹھائے نہیں گئے۔ بلکہ دلوں سے غیر اللہ کا وہم مٹایا گیا۔ اوندھے مُنہ پڑے بُت زبانِ حال سے اپنی بے بسی اور خدا کی برتری کا اعلان کرنے لگے۔ حرم کے باہر خلقت کا ہجوم ہو گیا۔ آپ نے سب کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا۔

| | |
|---|---|
| لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ صَدَقَ وَعْدَهٗ وَنَصَرَ عَبْدَهٗ هَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ اَلَا كُلُّ مَا ثِرَةٍ اَوْ دَمٍ اَوْ مَالٍ يُدَّعٰى فَهُوَ تَحْتَ قَدَمَيَّ هَاتَيْنِ اِلَّا سِدَانَةَ الْبَيْتِ وَسِقَايَةَ الْحَآجِّ۔ | ایک خدا کے سوا اور کوئی خدا نہیں ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ اس نے اپنا وعدہ سچّا کیا۔ اُس نے اپنے بندہ کی مدد کی اور تمام جتھوں کو تنہا توڑ دیا۔ ہاں تمام مفاخر، خون اور خونبہائے قدیم سب میرے قدموں کے نیچے ہیں۔ صرف حرم کعبہ کی تولیت اور حجّاج کی آب رسانی اس سے مستثنٰی ہیں۔ |
| يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ اَذْهَبَ عَنْكُمْ نَخْوَةَ الْجَاهِلِيَّةِ | اے قوم قریش اب جاہلیت کا غرور اور نسب کا غرور خدا نے مٹا دیا۔ تمام لوگ |

وَنُعَظِّمُهَا بِالْآبَاءِ النَّاسُ مِنْ آدَمَ وَآدَمُ مِنْ تُرَابٍ۔ | آدمؑ کی نسل سے ہیں۔ اور آدم مٹی سے بنے تھے۔

پھر قرآن مجید کی یہ آیت پڑھی:-

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا ۚ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ۔

لوگو! ہم نے تم کو مرد اور عورت سے پیدا کیا اور تمہارے قبیلے اور خاندان بنائے۔ کہ آپس میں ایک دوسرے سے پہچان لئے جاؤ۔ لیکن خدا کے نزدیک شریف وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہو۔ خدا دانا اور واقف کار ہے۔

مساواتِ انسانی اور مساواتِ جنسی کے متعلق کوئی اس سے زیادہ اور کیا کہہ سکتا ہے؟ نسل اور خون کے فخر نے دُنیا میں انسانی خون کی ایسی ارزانی کی ہے کہ اس کے تصوّر سے جان کانپ اُٹھتی ہے۔ نسل اور خاندان کی قربان گاہ پر جس قدر بھینٹ دی گئی ہے اس کا اندازہ ہمالیہ سے بھی بڑے کشتوں کے پشتوں اور گنگا جمنا سے بڑے خون کے ندی نالوں سے کیا جاسکتا ہے۔ نسبی فوقیت کی جنگ میں جو جیت جائے وہ آقا، اور ہارا نصیب کا مارا غلام کہلائے۔ غالب قوم سردار اور مغلوب کمین کہلاتی ہے۔ جس کی ساری زندگی غالب

قوم کی ٹھوکریں کھانے اور ذلّتیں اُٹھانے کے لئے وقف ہو جاتی ہے۔ کمین قوموں کی کیفیّتِ قلب ان کی اپنی زبانِ بے زبانی سے کیا پوچھتے ہو۔ ہندوستان کے دیہات میں جاکر اب بھی اُن کی حالت ذرا ملاحظہ کرو۔ اور جاکر دیکھو کہ اعلےٰ ذات کے لوگوں یعنی اربابِ اقتدار نے اپنے نشہء حکومت میں اپنے ہموطنوں اور ہم جنسوں کو کن کن ذلّتوں میں مبتلا کر رکھا ہے۔ حقیقتِ حال یہ ہے کہ جس میں شرافت ہے کسی کو کمینہ اور رذیل نہیں سمجھتا۔ البتہ دنی صفت کے لوگ اپنے سوا سب کو کیڑا مکوڑا ہی سمجھتے ہیں۔

شرافت اور نجابت کے مُدّعی لوگو! اگر تقدیر تمہارے ساتھ مذاق کرتی کہ تم اتفاق سے کمین گھر میں پیدا ہوتے، تو کیا باوجود علم و عقل کے تم بھی ٹھوکریں نہ کھاتے۔

آنحضرتؐ نے نسل اور نسب پر فخر کرنے والوں کو یہ کہہ کر تنبیہ کی۔ کہ تمام انسان ابن آدمؑ ہیں۔ اور آدمؑ کی پیدائش مٹی سے ہوئی ہے۔ مٹی اور آب کے پُتلے غرور کا پُتلا نہ بن، یہ غرور آخر خاک میں رل جائیگا۔ موت کے بعد خُون خشک ہو جائے گا۔ جسم مٹی بن جائیگا عمل کی بنا پر جو رُوح میں حُسن پیدا ہوتا ہے۔ وہی غیر فانی ہے۔ باقی دُنیا ہیچ اور کارِ دُنیا ہیچ۔

دوست اور دشمن کو اس امر کا اقرار ہے۔ کہ اس گئی گذری حالت میں بھی اسلام ہی وہ برادری ہے، جہاں مساوات کی روح نمایاں نظر آتی ہے۔ باقی مذاہب اور سوسائٹیوں میں اسلامی برادری کی شان نہیں ملتی۔

بنی نوعِ انسان کو نہ صرف نسل کی تقسیم اور غلام و آقا کے امتیاز نے مصیبت میں مبتلا کر رکھا تھا۔ بلکہ عورت ہمیشہ تختہ مشقِ ظلم بنی رہی۔ اس شخص کو فخرِ کائنات کیوں نہ کہا جائے۔ جس پر آیت اُتری کہ عورت اور مرد نفسِ واحد ہے۔ نسلی، سیاسی، اقتصادی اور جنسی امتیاز اللہ کے نزدیک قبول نہیں۔ کالا، گورا، آقا، غلام، سرمایہ دار، مزدور، مرد اور عورت، ان میں سے کسی کو کسی پر فوقیت نہیں۔ وُہی فائق ہے۔ جس کا عمل اچھا ہے۔

خطبہ کے بعد آنحضرتؐ نے ارد گرد دیکھا۔ سامنے وہ خون کے پیاسے سردارانِ قریش سر افگندہ شرمندہ کھڑے تھے۔ جن کا مقصدِ حیات اسلام دشمنی تھا۔ رحمتِ عالمؐ نے جسے انتقام لینا پسند نہیں تھا مجمع سے پوچھا کہو میں آج تم سے کیا معاملہ کرنے والا ہوں۔ لوگوں نے کہا تُو شریف بھائی ہے اور شریف برادر زادہ ہے۔ گدورتوں سے پاک مولا ان عزیزوں کے عجز کو دیکھ کر آبدیدہ ہو گئے۔

اور کہا جاؤ تم پر کوئی الزام نہیں۔ کہو دُنیا نے کوئی ایسا فاتح دیکھا ہے جو اپنے جانی دشمنوں کی عاجز حالت پر خود رونے لگے۔ اللہ اللہ دُنیا پر کس پاکیزہ اخلاق کے انسان کا ظہور ہوا۔ مہاجرین نے بڑھ کر کہا حضور ہمارے املاک واپس دلائے جائیں حکم ہوا فاتحین اپنے حقوق سے دستبردار ہو جائیں عفو اور رعایت کی اس نرالی شان کو دیکھ کر لوگ پھڑک اٹھے۔ ڈرے، دبکے، بھاگے دوڑے آ گئے۔ ایسی رواداری کو دیکھ کر کافر مومن ہو گئے۔

اناجیل میں مذکور ہے۔ کہ "خداوند دس ہزار قدسیوں کے ساتھ فاران کے پہاڑ پر طلوع ہوگا۔" چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ حضور فاران کے پہاڑ پر اپنے ساتھیوں کے ساتھ چڑھے۔ ایک پتھر پر بیٹھ کر بیعت لینے لگے۔ آفتابِ رسالت کی فاران پر نور پاشیوں نے اناجیل کا کہا پورا کر دیا۔

رؤسائے عرب کو بیس سال قبل کا وہ واقعہ نہ بھولا ہوگا۔ جب حاملِ بارِ نبوّت نے کوہ صفا پر چڑھ کر مکّہ کے قریش کو پکار کر کہا تھا۔ اے لوگو! پہاڑ کے عقب سے لشکر آ رہا ہے۔ اگر تم ایمان نہ لائے تو تم پر عذاب نازل ہوگا۔ لوگوں نے اس وقت دل لگی سمجھا تھا۔ لیکن آج وہ پیشین گوئی پوری ہو گئی۔

# غزوۂ حنین ۸ھ

اے خدا مجھے وہ طریقہ بتا جس سے میں مسلمانوں کے ذہن نشین کر سکوں۔ کہ غفلت، کمی ہمت اور سوءِ تدبیر سے قومیں فنا ہو جاتی ہیں۔ اسباب پر نگاہ رکھنے، ہمت سے کام لینے اور موقع سے فائدہ اُٹھانے سے کامیابی حاصل ہوتی ہے۔ اُحد کے واقعہ کے بعد اب ایک اور مرحلہ درپیش ہے۔ جہاں دوستوں کی غفلت نے آنحضرتؐ کو دشمنوں کے نرغے میں ڈال دیا۔

فتح مکّہ سے دشمن سہم گئے۔ مگر ہوازن اور ثقیف کے جنگجو قبیلے آتش زیر پا ہو گئے۔ وہ بھی ہمیشہ سے خاک اور خون کے کھیل کو زندگی کا محبوب مشغلہ سمجھتے تھے۔ ان کے نوجوانوں نے سوچا کہ آؤ اپنی ہمّت سے اسلام کو نیچا دکھاؤ۔ اور عرب بھر میں نام پاؤ۔ بوڑھوں نے جوانوں کی پیروی کی۔ گھر کے مال و اسباب کی طرح عورتوں اور بچّوں کو بھی اونٹوں پر لاد دیا۔ تاکہ میدان میں جا کر گھر کی کوئی کشش باقی نہ رہے۔ ہوازن اور ثقیف کی سرداری مالک بن عوف اور ورید بن صمّہ کے حصّے آئی۔ آخر الذکر سردار سو سال کا بوڑھا مگر ہمّت جواں

اور صاحبِ تدبیر تھا۔ لوگ اُس کی چارپائی اُٹھا کر میدانِ جنگ میں لے آئے۔ اُس نے جنگی ضرورت کے لیئے اوطاس کے مقام کو پسند کیا۔ فوج کو کمین گاہوں میں چھپا دیا۔ اِدھر مسلمان بھی ساز و سامان سے نکلے۔ مکّہ کی فتح کا نشہ باقی تھا۔ اسلامی فوج برات کی طرح خوش خوش بڑھی۔ ساتھ ناتجربہ کار نومسلم نوجوان اور کچھ دوستدار قبائل کے غیر مسلم لوگ بھی تھے۔ جونہی اسلامی فوج پھریرے اُڑاتی تیروں کی زد میں آئی۔ ناگاہ ٹڈی دل دشمن کمین گاہوں سے نکل آیا۔ اور تاک تاک کر تیر برسانے لگا۔ تیروں کی بارش سے ہوش اُڑ گئے۔ نوجوان جو میدانِ جنگ کو تماشاگاہ سمجھ کر شامل ہوئے تھے۔ نوک دم بھاگ گئے۔ ان کا بھاگنا تھا کہ شیروں کے پاؤں بھی اُکھڑ گئے۔ اسلامی فوج میں عام بھاگڑ مچ گئی۔ کسی کو اپنا پرایا نہ سُوجھا۔ ایک مرسلِ برحق کے سوا سب حواس باختہ تھے۔ غیر متزلزل پیغمبرؐ نے پکار کر کہا۔ میں نبی ہوں جھوٹا نہیں ہُوں۔ حضرت عباسؓ کو حکم ہوا کہ مہاجر اور انصار کو زور سے پکارو۔ حضرت عباسؓ کی پکار کام کر گئی۔ جس نے آواز سُنی فوراً پلٹا۔ جس طرح بھاگے گئے۔ جان سے پیارے پیغمبرؐ کو تنہا پاکر اسی طرح دوڑے واپس لوٹے۔ آن کی آن میں گھمسان کا رن پڑا۔ اکھڑے ہوئے جم گئے۔ جمے ہوئے اکھڑ گئے۔

جنگ کا رنگ بدل گیا۔ صرف اسی قدر سُوءِ تدبیر سے کہ ناتجربہ کار نوجوان ہمراہ تھے اور بس۔ اتنے سے بے ضرورت بھروسے نے کہ فاتحینِ مکہ کو اب کون فتح کر سکتا ہے۔ اسلام کو چند لمحوں کے لئے بدترین مصیبت میں ڈال دیا۔ ایک لمحہ کی دیر اور چند قدم اور کھا گئے کی بات تھی کہ اسلام کا خاتمہ تھا۔

لیکن اب مسلمان جم کر کھڑے ہو گئے۔ دشمن بار بار اُن کی ہمت کی چٹان سے ٹکرائے اور ہر بار پیچھے ہٹ گئے۔ آخر بنو مالک کا علمبردار عثمان بن عبداللہ مارا گیا۔ دشمن کی رہی سہی اُمیدوں کا خاتمہ ہو گیا۔ دست بدست لڑائی میں ایک دفعہ پسپا ہو کہ خدا کی خاص امداد کے بغیر کوئی میدان میں نہیں لڑ سکتا۔ دشمن اُکھڑ کر نہ ٹھیرا۔ اُونٹ، اسباب، عورت اور بچے مسلمانوں کے رحم پر چھوڑ کر خود جان چھپاتا بھاگ نکلا۔

عرب کا خدائے سخن درید بن الصمہ بڑا لشکر لے کر اوطاس کے مقام پر آیا۔ حضرت ابو عامر اشعری مختصر سی جمعیت لے کر بڑھے مگر درید کے بیٹے کے ہاتھوں شہادت پائی۔ ربیعہ بن رفیع نے بڑھ کر درید پہ وار کیا۔ مگر وار اوچھا پڑا۔ بُوڑھے بہادر نے ہنس کر کہا۔ کہ معلوم ہوتا کہ تیری ماں نے تجھے عمدہ ہتھیار دے کر نہیں بھیجا۔

اِدھر آ، میرے محمل سے اچھی سی تلوار نکال۔ مجھے قتل کر کے خوشی خوشی گھر جانا اور گھر کہنا کہ میں درید کو قتل کر آیا ہوں۔

باوجود اس بے مثل شجاعت کے دشمن مسلمانوں کے پر جوش حملوں کی تاب نہ لاسکا۔ غنیمت میں ۲۴ ہزار اونٹ، چالیس ہزار بھیڑ بکریاں، چھ ہزار اسیر ہاتھ آئے۔ باقی فوج بے سر و سامانی کے عالم میں بھاگ کر اوطاس وغیرہ اں طائف پہنچی۔ طائف مضبوط چار دیواری سے گھرا ہوا تھا۔ مسلمانوں نے بڑھ کر اس کا محاصرہ کر لیا۔ ہر چند قلعہ شکن آلات استعمال کئے گئے۔ مگر شہر فتح نہ ہو سکا۔ اطمینان حاصل تھا کہ اگر محاصرہ اُٹھا بھی لیا گیا۔ تو بھی طائف کے لوگوں میں مقابلہ کرنے کی سکت نہیں رہی۔ لہٰذا آنحضرتؐ نے محاصرہ اُٹھا لینے کا حکم دیا۔

باپ دادا کی پیدا کردہ جائداد پر وارثوں میں جھگڑے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ مال غنیمت پر چہ میگوئیاں قدرتی بات ہے۔ حضورؐ نے مکّہ کے نومسلموں کی تالیفِ قلوب کے لئے مالِ غنیمت میں سے زیادہ حصّہ اُن کو دیا۔ کچھ انصاری نوجوانوں نے سرگوشیاں کیں۔ کہ لو بھئی مشکلات میں ہم پڑیں اور مالِ غنیمت غیروں میں بٹے۔ آنحضرتؐ نے یہ چرچے سنے تو انصار کو طلب

فرمایا۔ سب نے نوجوانوں کی ان سرگوشیوں کی تصدیق کی۔

دنیادار برسرِ اقتدار اگر کسی کی سچّی بات کب سنتا ہے۔ اپنی طبیعت کے مخالف باتوں سے برہم ہو کر اس کا مزاج مشکل سے بحال ہوتا ہے۔

کشورِ دل کے حکمران پیغمبرؐ نے انصار کو تنبیہہ کی بلکہ اپنی تقریر سے اُن کے دلوں پر وہ افسوں پھونکا کہ سب تڑپ اُٹھے۔ بعض نوجوان انصار پامالِ غنیمت کا دعوےٰ لے کر آئے یا سب سر صدقہ کرنے اور گھر صدقہ کرنے اور گھر بار لٹانے کے لئے بیتاب ہو گئے۔ رسولِ کریمؐ نے فرمایا۔ عزیزو جب میرے لوگوں نے مجھے جھٹلایا۔ تم نے تصدیق کی۔ جب اپنوں نے مجھے چھوڑ دیا تم نے مجھے پناہ دی۔ میں مفلس آیا۔ تم نے مدد کی۔ لیکن اتنا بتاؤ کہ کیا تمہیں یہ پسند نہیں کہ لوگ اُونٹ اور بکریاں گھر لے جائیں اور تم محمدؐ کو لے کر اپنے گھر جاؤ۔

جوشِ محبت انصار کے سینے میں نہ سما سکا۔ اک جھرجھری سی آگئی۔ فرطِ محبت سے سب پر رقت طاری ہوگئی۔ آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔ وہ ڈاڑھیں مار مار کر رونے لگے سب بیک

آواز پکار رہے کہ ہمیں صرف محمد صلعم درکار ہیں۔ اور کچھ درکار نہیں۔

کوئی جماعت کوئی قوم انصار کے ایثار کا لگا نہیں کھا سکتی اسلام کے یہ بے باک سپاہی جن کی تلواروں سے ہمیشہ کفر کی گردن سے خون گرتا رہا۔ شرک کے طوفان کم ہوتے رہے۔ وہ ہمیشہ دُنیا کو دین پر قربان کرتے رہے۔

آنحضرتؐ کی تقصیر بخشی کی شہرت عام تھی۔ رسولِ کریمؐ کی کرم فرمائی کی اُمید پر ہوازن کے سردار اپنے قیدیوں کی رہائی کی درخواست لے کر حاضر ہوئے۔ آپ نے فرمایا۔ عزیزو! اس جنگ میں میرے ساتھ رنگا رنگ کے لوگ ہیں۔ معاملہ مجھ تک محدود ہوتا تو آج ہی تمہیں خوش کر کے گھر بھیج دیتا۔ میں اپنے اور اپنے خاندان کے قیدی تو آج ہی چھوڑ دیتا۔ شاید مہاجر اور انصار بھی میری پیروی کریں۔ بہتر ہے کہ تم یہ درخواست لے کر نمازِ صبح کے وقت آؤ۔ صبح جب ہوازن کے لوگ مسجد میں آئے تو آپ نے اعلان فرمایا، کہ میں نے اپنے اور اپنے خاندان کے حصے کے قیدی بلا معاوضہ چھوڑ دیئے۔ اس پر تمام مہاجر اور انصار نے کہا۔ حضورؐ ہم نے آپ کی پیروی کی۔ جدید الاسلام مسلمان اس کو غلط بخشی سمجھ کر متذبذب تھے۔ اس لئے آنحضرتؐ نے ہر قیدی

کے عوض اپنی طرف سے چھ چھ اونٹ دے کر سب کو آزاد کرا یا اور سب قیدیوں کو اپنی طرف سے کپڑے بھی عطا کیے۔ اس سلوک سے ہوازن، ثقیف کے قبیلے دنگ رہ گئے۔ آنحضرتؐ کی سیرتِ کریمانہ کا یہ اثر پڑا کہ اُسی وقت اکثر سردار ایمان لے آئے۔ مالک بن عوف تو اس برتاؤ سے جُھوم گیا۔

# غزوۂ تبوک ۹ھ

اب اسلام نے پُورے عرب پر غلبہ پایا۔ امن اور سلامتی کا ہر طرف دَور دورہ ہوا۔ سپاہیوں نے پہلو سے تلواریں ذرا الگ کر دیں۔ سردار کو اب تربیتِ اخلاق پر زیادہ توجہ دینے کا موقع ملا۔ دربارِ رسالت اب رشد و ہدایت کا سرچشمہ بن گیا۔ خدا کی رحمتیں بارش کی طرح برسنے لگیں۔ یک بیک شہر میں شام سے آمدہ قافلے نے مشہور کیا۔ کہ رومی بڑے لاؤ لشکر سے مدینہ پر حملہ آور ہونا چاہتے ہیں۔ حال میں ایران روم کے مقابلہ میں خاک چاٹ چکا تھا۔ اندریں حالات اہلِ عرب کا مرعوب ہو جانا تعجب کی بات نہ تھی۔ لیکن سالارِ عرب نے دبدبۂ قیصری کو خاطر میں نہ لا کر مسلمانوں

کو تیاری کا حکم دیا۔ مرسلِ برحق باطل قوتوں سے خائف ہو جائے۔ یہ ممکن نہ تھا۔ لیکن بہت سے منافق جی چرانے لگے۔ کہا کہ عرب کی سرحدات کے پار جنگ کو جائیں۔ تو گھر بار کو کس پر چھوڑیں۔ کسی نے کہا کہ مہ جبینانِ روم کے حُسنِ کیف افزا سے لذّت اندوز ہونے سے کوئی کیسے بچ سکتا ہے۔ اس لئے اس گناہ کی دُنیا میں کوئی جائے کیوں۔ گرمی کا موسم فصل کا موقعہ، بڑی بات یہ کہ خشک سالی۔ لیکن ان موانع کے باوجود مخلص مسلمانوں نے حکمِ حضورؐ سے سرتابی نہ کی اور رسولِ مقبولؐ کے اشارۂ ابرو پر قربان ہونے کو تیار ہو گئے۔ قبائلی جنگ میں کس کس سازوسامان کی ضرورت نہیں ہوتی۔ لیکن اول درجہ کی اسلحہ پوش قوم سے بے سروسامانی کی حالت میں مقابلہ کرنا ممکن نہ تھا۔ اس لئے حضورؐ نے درستی لشکر کے لئے عام چندہ کی اپیل کی۔ جاں طلبی کے ساتھ زرطلبی بھی طالبانِ دین کو گراں نہ گذری۔ ہر ایک نے اپنی مقدرت سے بڑھ کر امداد کی۔ امیر اور غریب اپنا اپنا مال اسباب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں لاکر ڈھیر کرنے لگے۔ حضرت ابوعقیل کی جیب پائی کی متحمل نہ تھی۔ اس لئے رات بھر سقائی کرتے رہے۔ معاوضہ میں چار سیر چھوارے ملے۔ ان میں سے دو سیر بچوّں کے لئے چھوڑے اور دو سیر خدمتِ نبوی میں لائے

حضرت عثمانؓ تو غنی تھے دل کھول کر امداد کی۔ حضرت عمرؓ نے نصف مال مدینہ کے آقا کے حضور میں پیش کیا۔ نیکی میں مسابقت کا خیال بھی نیکی ہے۔ اس لئے گمان کیا کہ آج اس کارِ خیر میں سب پر فوقیت لے جاؤنگا۔ حضرت عمرؓ اس خوشگوار تصوّر میں کھوئے ہوئے تھے۔ کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ اپنا حصّہ لے کر آ پہنچے صادق نے صدیقؓ سے فرمایا کہ کہو ابو بکرؓ اہل و عیال کے لئے کیا چھوڑ آئے، حضرت صدیقؓ نے کہا کہ حضور میں اللہ اور اس کے رسولؐ کو گھر میں چھوڑ آیا ہوں۔

جب صدقات کا انبار لگ گیا۔ تو آنحضرتؐ کو ابو عقیلؓ کی شانِ فیاضی کا خیال آیا۔ حکم دیا کہ میرے غریب صحابی کے چھوارے سب صدقات پر پھیلا دیئے جائیں۔ خدا دل کے جذبات کا قدر دان ہے۔ مال کی قلت و کثرت در خورِ اعتنا نہیں۔ اس حکم سے یہ اظہار مقصود تھا کہ حضرت ابو عقیلؓ قربانی میں سب سے بڑھ گئے۔

معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کا جوش دیکھ کر دشمن کے ولولے سرد ہو گئے۔ فوج اسلامی شام سے گذر کر تبوک کے مقام تک پہنچ گئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ادھر اُدھر مہم بھیج کر پتہ لیا۔ مگر کسی کو سر اُٹھانے کی جرأت نہ ہوئی۔ ارد گرد کے غیر مسلم

قبائل جزیہ دے کر امن کے طالب ہوئے۔

مدینہ سے لشکر اسلام کے کوچ کے بعد ایک قابلِ ذکر اور فکر یہ واقعہ پیش آیا۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علیؓ کو مدینہ کا گورنر بنا کر انتظامِ سیاست اُن کے سپرد کر گئے منافقوں نے سب پر کی اُڑانی شروع کی کہ علیؓ سے آقا ناراض ہو گیا۔ ورنہ یہ کمائی کے شرف سے علیؓ محروم کیوں رہتے۔ منافقوں کی کانا پھوسی سے گھبرا کر حضرت علیؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ سرکارِ مدینہؐ نے تسلی دی۔ اور فرمایا کہ اس پر خوش ہو کہ تم کو مجھ سے نسبت ایسی ہے جیسی ہارونؑ کی موسیٰؑ سے۔ فرق صرف یہ ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ ہارونؑ نبی تھے۔ حضرت علیؓ کی اس ارشاد سے تسلّی ہو گئی۔ اور وہ مطمئن واپس لوٹے۔

# حجۃ الوداع

اللہ کا رحم ملاحظہ کرو۔ وہ جو ماں کے پیٹ سے یتیم پیدا ہوا۔ اور بے کسی میں وطن سے نکال دیا گیا۔ آج ملکِ عرب کا والی اور اہلِ عرب کی عقیدتوں کا مرجع ہے۔ اسلام کفر کی ظلمتوں سے نکل کر

آفتاب عالمتاب کی طرح چمکنے لگا۔ حاتم طائی کے بیٹے عدی نے کہا۔ چلو چل کر اہل عرب کے آقا کے ٹھاٹھ دیکھیں۔ دیکھا تو گھر میں کھاٹ تک نہ تھی۔ چوکی پہرے کا نام ونشان نہ تھا۔ ایک بوڑھی عورت راہ میں روک کر کھڑی ہو جاتی ہے۔ تو مسلمانوں کے ہادی اس کی غیر دلچسپ داستان دیر تک کھڑے سنتے رہے جب تک وہ دامن نہیں چھوڑتی یہ نہیں ہلتے۔ سرکارِ دو عالمؐ عدی کو گھر لے جاتے ہیں۔ اور چمڑے کے گدّے پر بٹھا کر خود زمین پر بیٹھ جاتے ہیں۔ یہ دیکھ کر عدی کا کفر سر پیٹ کر اس کے سینے سے نکل جاتا ہے۔ اللہ کے رسول نے کہا۔ "عدی لا الٰہ الا اللہ کہنے میں تجھے کیا تامّل ہے۔

عدی جذبِ دل سے پکارا ــــــ سرکار مجھے کیا عذر ہے۔

چلو چل کر بیکسوں کو صاحب اختیار کرنے والے اور سرکشوں کو نیچا دکھانے والے کے گھر چل کر سجدۂ شکر کریں محمد رسول اللہؐ نے حکم دیا۔ چلو مسلمانو! جمع ہو کر اس خدا کی حمد و ثنا بیان کریں۔ جس نے ہمیں امت واحد بنا دیا۔

اس نوید جاں فزا کو سن کر ایک لاکھ چالیس ہزار مسلمان اپنے مولا کی ہمراہی میں حج کو روانہ ہوتے۔ یسعیا نبی کی کتاب میں اللہ نے بیت اللہ کو مخاطب کر کے کہا ہے۔ " اُٹھ روشن ہو۔ کہ تیری روشنی

آئی اور خدا کے جلال نے تجھ پر طلوع کیا" (بقول یوحنا ۱۴ ب۱) بیشک صاحب جلال و جمال نے بیت اللہ پر طلوع ہو کر ایک نیا گیت گایا۔ جس کو سوائے ایک لاکھ چوالیس ہزار کے اور کوئی نہ سمجھ سکا۔ انصاف اور عدل گواہ ہے۔ وہ گیت جو اس دن گایا گیا وہ پہلے نبیوں نے نہ گایا تھا۔ اس کے نغمۂ پُر کیف نے دُنیا کو آج تک مدہوش کر رکھا ہے۔ اس کی موسیقی میں خدا جانے کیا جادو تھا۔ رُوح انسانی تا قیامت وجد میں رہے گی۔ چودہ سو سال ہو چکے ہیں۔ اسی گیت کے ترنّم سے مشرق و مغرب کی فضائیں گونج رہی ہیں۔

سُنو اس حجۃ الوداع کے موقعہ پر رسول کریمؐ نے ناقہ پر سوار ہو کر ایک لاکھ چوالیس ہزار نفوس کو مخاطب کر کے وہ خطبہ دیا۔ جس سے کم نگاہوں میں وسعتِ نظر پیدا ہو گئی۔ اور زندگی کا حسن بے حجاب دکھائی دینے لگا۔ رحم، حلم اور مساوات کا دنیا میں دَور دورہ ہو گیا۔ لوگ فریب حیات سے درگذرے۔ اور حقیقی زندگی بسر کرنے کی آرزو کرنے لگے۔ ہاں وہ نغمۂ تقدیس جس سے فطرتِ پاکیزہ جاگ اُٹھتی ہے۔ یہ ہے:۔

**خطبہ** ۔" اے لوگو میری بات غور سے سُنو۔ خدا جانے

آیندہ سال مجھے تم سے ملنے کا موقعہ ملے یا نہ ملے۔ آج کے دن اور اس مہینہ کی تم حرمت کرتے ہو۔ اسی طرح ایک دوسرے کا ناحق خون کرنا اور مال لینا تم پر حرام ہے۔ خوب یاد رکھو کہ تمہیں خدا کے حضور حاضر ہونا پڑیگا۔ اور وہ تمہارے سب کاموں کا پُورا جائزہ لے گا۔ اے لوگو جس طرح عورتوں پر تمہارے حقوق ہیں۔ اسی طرح تم پر تمہاری عورتوں کے حقوق ہیں ان کے ساتھ ملاطفت سے پیش آنا۔ یاد رکھو۔ خدا کی ذمہ داری پر عورتیں تم کو حلال ہوئیں۔ اور اسی کے حکم سے تم نے اُن پر تصرف کیا ہے۔ پس ان کے حقوق کی رعایت میں خدا سے ڈرتے رہنا اور ہاں غلاموں کے معاملہ میں دیکھو۔ جیسا تم کھانا ویسا اُن کو کھلانا۔ جیسے تم کپڑے پہننا ویسے انہیں پہنانا۔ اگر اُن سے کوئی خطا ہو جو تم اُن کو معاف نہ کر سکتے ہو۔ تو اُن کو جدا کر دو۔ کیونکہ وہ بھی تو خُدا کے بندے ہیں۔ اُن کے ساتھ سخت برتاؤ کرنا کیا معنی۔ لوگو! میری بات غور سے سُنو اور خُوب سمجھو۔ آگاہ ہو جاؤ کہ جتنے کلمہ گو ہیں سب ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ سب مسلمان اخوت کے سلسلے میں داخل ہو گئے۔ تمہارے بھائی کی چیز

اس وقت تک تم کو جائز نہیں جب تک وہ خوشی سے نہ دے۔ خبردار نا انصافی کے پاس نہ پھٹکنا۔ میں نے تم میں ایک ایسی چیز چھوڑی ہے۔ کہ اگر تم اس کو مضبوط پکڑو گے اور اسی پر عمل کرو گے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے۔ وہ چیز خدا کی کتاب ہے۔ اے لوگو! عمل میں اخلاص، مسلمان بھائیوں کی خیر خواہی اور جماعت میں اتفاق، یہ تین باتیں سینہ کو صاف رکھتی ہیں۔ حاضرین تم کو لازم ہے کہ میرا کلام لوگوں کو جو یہاں موجود نہیں ہیں سُنا دینا۔ کیا عجب وہ شخص جسے پیغام پہنچایا جائے سُننے والے سے زیادہ یاد رکھے[۱]" خطبہ کے اختتام پر سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

"اے لوگو قیامت کے دن تم سے سوال کیا جائیگا۔ کہ میں نے تم سے کیا معاملہ کیا۔ اور تم نے کیونکر زندگی بسر کی۔ تم اس کا کیا جواب دو گے۔" چاروں طرف فوراً ہزاروں آوازیں بلند ہوئیں کہ یارسول اللہ ہم گواہ ہیں۔ آپ نے خدا کے سب احکام ہم کو پہنچا دیئے۔ کوئی نصیحت اُٹھا نہیں رکھی۔ اور رسالت کا پورا حق ادا کر دیا۔ یہ سُن کر آپ نے انگشت شہادت آسمان کی طرف اُٹھا کر جوش میں تین مرتبہ فرمایا۔ اَللّٰھُمَّ اشْھَدْ اَللّٰھُمَّ اشْھَدْ اَللّٰھُمَّ اشْھَدْ

---

[۱] ابنِ ہشام صہ ۹۶۸ و ۹۶۹ بروایت مسلم جابر۔

(اے اللہ تُو گواہ رہ، مَیں نے حقّ خدمت ادا کر دیا) حق تعالےٰ نے اپنے رسولؐ اور اس کی اُمّت کی تصدیق کی، اور اپنی رضامندی کے اظہار میں یہ آیت نازل فرمائی اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا۔ (ترجمہ) مَیں نے آج کے دن تمہارے دین کو کامل کر دیا۔ تم پر اپنی نعمتیں پوری کر دیں اور تمہارے واسطے دین اسلام کو پسند کیا (سورۂ مائدہ پارہ ۶)[1]

# سچّے گھر کو واپسی

اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ آیت اُتری تو مُعلّمِ دین نے سمجھ لیا کہ رحلت کا وقت آ گیا۔ اب عہدِ زرّیں کا آغاز ہو چکا تھا۔ کفر و شرک کی ظلمت اسلام کے نور سے کافور ہو گئی۔ اپنے مشن میں کامیابی کتنی خوشی کا باعث ہوتی ہے۔ سرکارِ دو عالمؐ نے اطمینان کی نظر سے اپنی کاوشوں کے نتیجہ کو دیکھا۔ وہ احباب یاد آ گئے۔ جن کی موت نے اسلام کو زندگی بخشی تھی۔ کاش وہ زندہ ہوتے اور آج کی خوشیوں میں شریک ہوتے۔ اور یہ دیکھ کر خوش ہوتے

---

[1] بخاری بروایت طارق ابنِ شہاب کتاب تفسیر القرآن۔

کہ اسلام کی ضیا باری سے تمام عرب روشن ہو گیا۔ اور اللہ اکبر کی صدائے بازگشت سے یثرب و بطحا کی پہاڑیاں گونجتی ہیں۔ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو یاد رفتگاں نے بیتاب کر دیا۔ وہ بار بار ان خاک میں منہ چھپائے ہوئے دوستوں کے پاس جا کر دعا کر کے اپنی محبت کی بے تابی کو کم کرتے تھے۔ ان کی مفارقت کے داغ کو تازہ کرتے اور ان کے لئے مغفرت چاہتے۔

آفتاب غروب ہونے سے پہلے کیسا خوبصورت اور جاذب توجہ ہوتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے آخری ایام میں پہلے سے زیادہ ہر دلعزیز حکمران بن گئے۔ اصحاب میں سے جو دیکھتا اُسے آپ کا چہرہ بہار نظر آتا۔ موت سے کس کو مفر ہے۔ آخر حضور صلی اللہ علیہ وسلم مرض الموت میں مبتلا ہو گئے۔ عیادت کے لئے لوگ آتے جاتے رہے۔ اور نصیحتوں کے انمول موتی لٹاتے رہے۔ نبیوں اور نیکوں کو شرک سے کتنا خوف ہوتا ہے۔ بسترِ مرگ پر استیصال شرک کے در پے رہے۔ شرک انسان کی سب سے بڑی کمزوری ہے۔ اور ہر قسم کی کمزوری کو دُور کرنا نبوت کا مقصد ہوتا ہے۔ چنانچہ موت سے پانچ روز پہلے فرمایا۔ خدا یہود اور نصاریٰ پر لعنت کرے۔ جنہوں نے انبیاء کی قبور کو سجدہ گاہ

بنایا۔ (فرمایا) اس قوم پر خدا کا سخت غضب ہے جنہوں نے مزاراتِ انبیاء کو مساجد بنایا۔ دیکھو میں تم کو اس سے منع کرتا ہوں۔ جن کو میں تبلیغ کر چکا خدایا تو اس کا گواہ رہ۔ خدایا تو اس کا گواہ رہ۔

یہ چھوٹے فقرے کتنے گہرے اور کیسی بڑی بیتابی کی شہادت ہیں۔ افسوس ہے امت کے اُن لوگوں پر جو اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بےتابانہ نصیحتوں پر عمل نہ کریں۔ اور اینٹ پتھر کی عمارتوں کے سامنے شرفِ انسانی کو ڈھیر کر دیں۔

بیماری کے حملہ سے نڈھال نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) دو آدمیوں کے کندھوں کے سہارے مسجد میں تشریف لائے۔ فرمایا کسی کا مجھ پر کوئی حق ہو تو کہے۔ کسی نے عرض کیا حضور ایک سائل کو آپ نے تین درہم دلوائے تھے۔ وہ واجب الادا ہیں۔ یہ قرض فی الفور ادا کر دیا گیا۔ زندگی کے آخری ایام میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عمل نادہند مسلمانوں کے لئے سامان عبرت ہے۔ اوّل قرض لینا۔ اور پھر لے کر نہ دینا اندھیر۔ اسلام ایسی بےانصافیوں کا متحمل نہیں۔ راہ نجات اسوۂ رسولؐ میں ہے۔ اوّل قرض نہ لو۔ لیا ہے تو موت سے پہلے ادا کرو۔

موت سے قبل عشا کی نماز کے لیئے تین دفعہ تیاری کی۔ ہر بار طاقت نے جواب دے دیا۔ آپ وضو کرتے بے ہوش ہو گئے۔ نماز باجماعت میں نیکوں کے لیئے کتنی کشش ہے۔ بڑی حسرت سے فرمایا۔ اچھا ابوبکرؓ نماز پڑھائے۔ تعمیلِ حکم میں حضرت ابوبکرؓ مصلّے پر تو کھڑے ہو گئے۔ مگر دُنیا آنکھوں تلے اندھیر ہو گئی۔ طبیعت پر رقّت طاری ہو گئی۔ اُن کی اور اصحاب کی آنکھوں سے آنسو بہ نکلے۔ اصحاب کے رونے کی آواز نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بے تاب کر دیا۔ اور آہستہ آہستہ مسجد میں تشریف لائے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بائیں جانب بیٹھ کر نماز پڑھائی۔ بعد نماز فرمایا:۔

مسلمانو! میں تمہیں خدا کے سپرد کرتا ہوں۔ خدا کی پناہ اور نگہداشت اور نصرت کے حوالے کرتا ہوں۔ خدا تم پر میرا خلیفہ ہے تمہارے تقوے اور اطاعت سے وہ تمہاری نگرانی فرمائیگا۔ بس میں اب دُنیا سے علیحدہ ہونے والا اور چھوڑنے والا ہوں۔

اب اخیر کا دن آپہنچا۔ کمزوری نے مسجد جانے کی سکت نہ چھوڑی تھی۔ اس لیئے صبح آپ کے حجرہ کا پردہ اُٹھا دیا گیا۔ تاکہ مسجد کے رکوع و سجود کا پاک نظارہ آنکھوں کے سامنے رہے۔

آپ نے دیکھا کہ صفیں درست ہیں۔ اس جنّت نگاہ نظارے نے چہرے کی زردی کو بشاشت سے بدل دیا۔ اور ہونٹوں پہ پاک مسکراہٹ کھیلنے لگی۔ آپ پھر ہمت کر کے اُٹھے۔ فجر کی نماز حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اقتدا میں ادا کی۔ حجرہ میں واپسی نزع کی حالت طاری ہو گئی۔ رنگ آنے جانے لگا۔ اور طبیعت کا اضطراب بڑھ گیا۔ اس حال میں فرما رہے تھے۔ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اِنَّ لِلْمَوْتِ سَکَرَاتٌ۔ اب آنکھوں کے آگے موت کا اندھیرا چھا گیا۔ تو نُورِ نظر فاطمہؓ سے فرمایا۔ باپ کو بچّوں سے جُدا کرنے والی مرگ ہے۔ زہرا بتولؓ رو دیں۔ شفیق باپ نے بستر مرگ پر پڑے ہوئے دستِ مبارک سے بیٹی کے آنسوؤں کو پونچھا۔ فرمایا کہ نہیں رو نہیں۔

موت جس کا بھیانک تصوّر شیروں کا زہرہ آب آب کر دیتا ہے۔ روبرو ہے۔ مگر خدا کا فرستادہ درد و کرب کی شدت کے باوجود خلقِ خدا کی محبّت کا خیال دل سے نہیں بھلاتا۔ اور وقتِ آخر حضرت علیؓ کو لونڈی غلام سے حُسنِ سلوک کی نصیحت ہوتی ہے۔ فرمایا " علیؓ لونڈی غلام کے بارہ میں خدا کو یاد رکھو۔ انہیں خوب کھلاؤ پہناؤ۔ ان کے ساتھ ہمیشہ نرمی سے بات کرو۔"

جسکے قلب کی کائنات میں مخلوق کی محبت کی فراوانی نہیں۔ وہ حُسنِ ازل سے شادکام کب ہوسکتا ہے۔ بسترِ مرگ پر کیا اچھا پیغام ہے۔ کہ کمزور اور مجبور کی محبت سے دل کی دُنیا کو آباد رکھو۔ کہیں ان کی شکستِ دل کی صدا فرش سے عرش پر نہ جا پہنچے۔ مظلوم کی آہ بے اثر نہیں لوٹتی۔ غلاموں کی حوصلہ فرسا مجبوریوں کا اثر قلبِ پیغمبر میں نہ ہو تو اور کس میں ہو۔ آؤ اربابِ احتیاج کمزور اور مجبور کے کام آنے کا جذبہ پیدا کریں۔ کیونکہ کشورِ دل کے فرمانروا آخری نبی کا یہی آخری فرمان ہے۔

آفتابِ رسالت ۶۳ برس کے بعد غروب ہوگیا۔ ایک عالم گواہ ہے۔ کہ اُمّی نے علم کے دریا بہا دیئے۔ اور اس کے فیضِ صحبت سے ذرّے آفتاب بن گئے۔ سب سے اہم یہ کہ مسلمانوں کے عمل کی بنیاد جہد للبقا کے شر انگیز اصولوں پر نہ رکھی گئی۔ بلکہ خدمتِ خلق ہی بہترین عمل قرار پائی۔

آؤ یثرب و بطحا کے امیر اور عرب کے آقا کی جائداد کا جائزہ لیں۔ اور دیکھیں کہ حضورؐ نے موت کے بعد نقد و جواہر کے کتنے ڈھیر گھر میں چھوڑے۔ کونہ کونہ چھان مارنے کے بعد سرورِ عالمؐ

کا سرمایہ کچھ نہ نکلا۔ نہ لونڈی نہ غلام نہ بھیڑ نہ بکری۔ سارے عرب کے بلا شرکت حکمران کا اثاث البیت بجز چند ہتھیاروں کے کچھ نہ تھا۔ ہادیِ برحق نے عمر بھر مبتلائے مصیبت رہ کر بنی نوع انسان کو غارِ مذلت سے نکالا۔ آقائے عرب کی زندگی ہر مسلمان کے لئے مشعلِ ہدایت ہے۔ اور ہر مومن کا فرض ہے کہ انسانیت کی تعمیر کے لئے اپنے اوقات کو وقف کر دے۔

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۝

# آزادیٔ ہند

اِس رنگین افسانہ میں چودھری افضل حق مرحوم نے اس اچھوتے انداز سے مُلکی تحریک پر اظہارِ خیال کیا ہے۔ کہ کتاب ادبی اور افادی لحاظ سے دَورِ حاضر کی بہترین تصنیف سمجھی جانے کے قابل ہے۔ اس موضوع کو اکثر خشک مضامین میں بیان کیا جاتا رہا ہے۔ اس کتاب کا ہر صفحہ بجائے خود ایک افسانہ ہے۔ پیرایہ ایسا سحر اثر ہے کہ محویت کا عالم طاری ہو جاتا ہے۔ وطن کی آزادی اور اہلِ وطن کی بُرائی افسانہ کے انداز میں بیان کر کے باغ میں بہار پیدا کر دی گئی ہے۔ یہ پُر اثر افسانہ خود ہی دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جاتا ہے۔ طبیعت میں شرف اور سیاسی سربلندی پیدا کرنے کے لئے یہ کتاب انشاء اللہ عدیم النظیر ثابت ہو گی۔ مُصنّف کا نام اس کتاب کی بہتری کی کافی ضمانت ہے۔ نہایت خوبصورت جلد کی گئی ہے

قیمت مجلد تین روپے

تاج کمپنی لمیٹڈ۔ قرآن منزل ریلوے روڈ۔ لاہور

# میرا افسانہ

چوہدری افضل حق صاحب کی تصانیف میں یہ ایک اچھوتی تصنیف ہے۔ اس میں مسائلِ زندگی کو نئے انداز میں اور متین ظرافت کے رنگ میں پیش کیا گیا ہے۔ چوہدری صاحب کی زندگی کی کہانی اُن کی اپنی زبانی مشاہیر کی زندگیوں سے زیادہ دلچسپ ہے۔ اس کتاب میں آپ دیکھیں گے کہ اُن کی نظر کتنی گہری جاتی ہے۔ مصنف کا شگفتہ قلم کبھی آپ کو زعفران زاروں میں لے جائیگا۔ آپ متبسم نظر آئینگے کبھی غور و فکر کے اتھاہ سمندروں میں پہنچا دیگا۔ کتاب کیا ہے دریائے لطافت اور موج تبسم ہے عام مصنفین کا قلم کبھی کبھی اور کہیں چمک جاتا ہے۔ لیکن یہاں اوّل تا آخر ایک ہی جوش اور سرمستی موجود ہے۔ خشک سے خشک موضوع کو شگفتہ گلزار بنا دیا گیا ہے۔ چوہدری صاحب کی تحریر کے قدر دانوں کو چاہیئے کہ اس کتاب کو پہلی فرصت میں پڑھیں۔ قیمت اڑھائی روپے

چوہدری صاحب کی یہ غیر فانی تصنیف اس قابل ہے کہ ہر ہندوستانی
عموماً اور ہر مسلمان خصوصاً اس کا مطالعہ کرے۔ اور اس بیش قدر تعلیم سے
فائدہ اُٹھائے۔ جو چوہدری صاحب نے اپنے ہم وطن اور ہم قوم بھائیوں
کی رہنمائی کے لئے پیش کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔

اس کتاب میں ارکان اسلام نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج کا فلسفہ
بیان کیا گیا ہے۔ اور ان عبادات کی روحانیت اور ان کے اثرات
پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ اس کتاب کو مطالعہ کرنے کے بعد ہر نمازی
یہ محسوس کریگا۔ کہ اس کی نماز میں ایک کمی تھی۔ جواب پوری ہوئی۔ ہر
روزہ دار خیال کریگا کہ وہ روزے کے فیض سے پوری طرح فیضیاب
نہ ہوتا تھا۔ اور ہر مسلمان کو معلوم ہوگا۔ کہ زکوٰۃ قومیت کے لئے بنیاد
کا حکم رکھتی ہے۔ اور دل میں یہ آرزو پائیگا کہ اسے زکوٰۃ ضرور دینی چاہیئے۔ اور ہر
باحیثیت مسلمان اپنے دل میں حج کے لئے ایک تڑپ پائیگا۔ آسان زبان اور
انداز بیان ایسا کہ کتاب بار بار پڑھنے کو جی چاہتا ہے قیمت بہت تھوڑی رکھی
گئی ہے۔ تاکہ کتاب زیادہ ہاتھوں تک پہنچے

قیمت دو روپے

**تاج کمپنی لمیٹڈ۔ قرآن منزل ریلوے روڈ۔ لاہور**

# تصانیف سید ابوالاعلیٰ مودودی

**حقیقت اسلام** - کلمہ طیبہ کے معنی - اسلام اور کفر کے بنیادی فروق اور مسلمانوں کی تعریف پر مفصل بحث - تقطیع ۲۰×۲۶/۱۶ حجم ۱۱۲ صفحے - قیمت دس آنے -

**حقیقت صوم و صلوٰۃ** - عبادت کے اسلامی مفہوم پر روشنی ڈالنے کے بعد نماز کے اخلاقی و اجتماعی فوائد - نیز روزے کے فلسفے اور اس کی روح کو شرح و بسط سے بیان کیا گیا ہے - تقطیع ۲۰×۳۰/۱۶ حجم ۹۶ صفحے - قیمت نو آنے -

**حقیقت زکوٰۃ** - زکوٰۃ کی حقیقت - اس کی اہمیت اور اس کے بے نظیر فائدوں کی تشریح ان پانچ عنوانوں کے ماتحت - زکوٰۃ کی اہمیت، زکوٰۃ کی حقیقت، اجتماعی زندگی میں زکوٰۃ کا مقام - انفاق فی سبیل اللہ کے عام احکام، حجم ۸۰ صفحے - تقطیع ۲۰×۳۰/۱۶ قیمت سات آنے

**حقیقت حج** - حج کی ابتدا، حج کی تاریخ مابعد، حج کے فائدے، حج کا عالمگیر اجتماع اور اسکے فوائد شرح و بسط سے دل نشین پیرائے میں قلمبند کئے گئے ہیں - تقطیع ۲۰×۳۰/۱۶ ضخامت ۷۲ صفحے - قیمت سات آنے -

**حقیقت جہاد** - اسلامی جہاد کی حقیقت و ماہیت زیر عنوانات "جہاد کا مقصد" "جہاد کی اہمیت" "جہاد فی سبیل اللہ" عمدہ پیرائے میں درج کی گئی ہے - تقطیع ۲۰×۳۰/۱۶ ضخامت ۸۶ صفحے - قیمت آٹھ آنے

**تاج کمپنی لمیٹڈ - قرآن منزل ریلوے روڈ - لاہور**